آسیہ رزاق

# میری تیری ہمدردی

"اب تو لوگوں کے لیے جو ہے بس سمدھیانہ ہے۔ ارے بابا پڑوسیوں کو تو بھلا دیتے ہیں لوگ۔"

"کب بھلا دیتے ہیں اماں! ابھی کل دائیں ہاتھ والے پڑوسیوں کی صا... آپ کی خیریت پوچھنے آئی تھی۔ یہ الگ بات کہ جاتے ہوئے کیاری سے پودینہ نوچ کر لے گئی اور بائیں ہاتھ والی راحمہ ہلدی تک مانگنے آئی تھی۔ پرسوں اپنا نومی ہمارا نواڑی پلنگ لے گیا تھا کسی معزز مہمان کے لیے... اور وہ..."

"ہوں ہوں۔ چپ کرو۔" اماں نے اسے بیچ میں ٹوک دیا۔ "میرا مطلب ہے کہ رجب کے کوڑے آئے۔ گزر گئے۔ کسی کو پڑوس یاد نہ آیا۔ منشی ممتاز کے گھر ان کی پانچ بیٹیوں کی سسرالیں۔ چھٹی بیٹی کی متوقع سسرال۔ اللہ بھلا کرے بھوکا میکہ بڑی بیٹی کا ہونے والا سمدھیانہ۔ نا تھا تو کوئی پڑوسی۔ جو ہر آڑے وقت میں کام آنے والا ہے اور بخاری صاحب کے گھر بھی سسرالیں، سمدھیانے۔ ایک وقت تھا کہ پڑوسیوں سے گھر بھر جاتا تھا۔ بھئی رشتے دار تو سب دور دور۔ کوئی کہیں تو کوئی کہاں۔ ہر دم پڑوسیوں کا ساتھ ہوتا ہے۔ دکھ سکھ کے شریک تو پڑوسی ہوتے ہیں، نہ کہ سمدھیانے۔ اب دیکھو بخاری صاحب

## مکمل ناول

بیٹے کے دیسے میں بلاتے ہیں کہ سمدھیانوں پر ہی گزارا کریں گے۔ بارات میں تو محدود تعداد کا بھانا تھا۔ لگتا ہے دیسے میں بھی ہری جھنڈی....."

اماں کو پڑوس سے بڑی توقعات تھیں اور بڑے تفصیلی شکوے۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں۔ آپ بھی جلد سے جلد بہوئیں لانے کی کریں۔ ہمارے گھر پر بھی سمدھیانوں کا راج ہو۔ ہم بھی گردن اکڑا کر لوگوں کو ہری جھنڈی لال جھنڈی دکھانے کی پوزیشن میں آئیں۔"

ہمایوں بڑے انہماک سے پھنی پتنگوں کی مرمت میں لگا ہوا تھا۔ مگر اماں کی باتیں بغور سن کر جواب بھی اسی تفصیل سے دیتا جا رہا تھا۔

"تو اور سنو گردن اکڑانے کی بھی ایک ہی رہی۔ کوئی ہمسر وزیر وزراء کے گھر رشتہ جوڑیں گے؟"

"اچھا۔ نا سہی وزیر وزراء حقیر فقراء ہی سہی۔ وہ جو کئی برسوں سے بھائی کے نام بیٹھی ہے۔ بابر! بابر۔ کی مالا جپ رہی ہے۔ اسی کو لے آئیں۔ کچھ تو گھر کی ویرانی دور ہو۔" وہ کن انکھیوں سے بابر کو دیکھ رہا تھا جو اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔

(یقین ہے کان ادھر ہی ہوں گے۔ مگر بھائی کی بے نیازی کا جواب نہیں۔ کیا انداز شاہانہ ہے۔ سنیں گے سب کی۔ بولیں گے کچھ نہیں)

"ہیں؟ ہیں۔ اللہ نہ کرے۔ گھر کیوں ویران ہوتا۔" اماں دہل کر بولیں۔ "بندے کا منہ اچھا نہ ہو۔ بات تو اچھی کرے۔"

"منہ بہت اچھا ہے' لوگ تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔" فخریہ انداز میں کہہ کر پھر باہر کی طرف دیکھا۔ "ہماری اماں میں بس ایک یہ خرابی ہے۔ ضروری بات کول کر کے غیر ضروری کا چرچا۔ لگتا ہے ہمارے ملک کے کرتا دھرتا اماں سے پوچھ کر پالیسیاں بناتے ہیں۔ بھائی! اب تو کچھ بولو۔ میں ہی بولتا رہوں؟ اب تو عالمی بیداری کا زمانہ ہے۔ کتے بھی' میرا مطلب ہے۔ بھونکتے تو ہیں جب بھوک لگے۔"

"فضول باتیں بند کرو اور باہر جا کر دیکھو۔ تمہارے ابا کہاں جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ گھنٹہ بھر پہلے سبزی لینے گئے تھے۔ کب سودا آئے گا۔ کب کھانا پکے گا۔ بھوک کی برداشت تم لوگوں میں نہیں۔"

"لو۔ کتے کے ذکر پر اماں کو ہماری بھوک یاد آگئی۔ اب یہ رہ گئی ہے ہماری اوقات۔ اب ابا کو دوکان دوکان تلاش کرتا پھروں۔ پتا نہیں کہاں گئے ہوں گے۔"

"انہوں نے بھی برسوں تم لوگوں کو گلیوں' میدانوں میں تلاش کیا ہے۔ ہاتھ کب آتے تھے تم۔ کوئی کرکٹ کھیلنے گیا ہے تو دوسرا پاکی۔ تیسرا لڑائی جھگڑے میں پیش پیش اور....."

"اور کیا تھا؟"

"چوتھا۔ یہ تھا وہ تو معصوم فرشتہ ہے ابھی تک۔" اماں ماضی سے پردہ اٹھانے میں بولیں۔ پھر یاد آیا تو چونکیں۔

"اب جاتا ہے باوا کو تلاش کرنے کہ دوں ایک جوتی....."

"جاتا ہوں' جاتا ہوں۔ اشتہار تو بنا لوں۔ جا رحانہ کارروائی میں اماں کو ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی۔ جوان جہان بیٹوں کو جوتی کی مار مارتی ہیں۔ اچھا اشتہار کچھ یوں ہو گا۔ ضرورت ہے ایک باریش بزرگ کی۔ جن کے ہاتھ میں ہری جھنڈی ہو۔ بلکہ اس میں ایک عدد مرغی کے روسٹ بھی ہو تو آج کے دن قورمہ اور مٹن کھانے کی خواہش پوری ہو جائے۔"

دھڑ سے پیٹھ پر تھپڑ پڑا تھا۔ وہ "آئے" کر کے مڑا۔ اماں کھا جانے والی نظروں کے گھور رہی تھیں۔

"بدبخت! ندیدا! فقیر نہ ہو تو۔ باپ کا مذاق اڑاتا ہے۔ ارے کیا کبھی قورمہ نہیں کھایا۔ گوشت نہیں کھایا؟ باتیں بنوا لو جتنی چاہے۔ کام کے نام پر صفر۔"

"ہائے۔ آخر مجھ پری کیا پہچانی ہے۔ ہر کام میں کروں۔ یہ جھاڑو اور شاید آخر کس مرض کی دوا ہیں۔"

"ارے ہوتے تو انہیں ہی بھیجتی۔ نہیں ہیں گھر میں۔ اسی لیے تیری خوشامد کر رہی ہوں۔"

"ہاں جی وہ لاڈلے تھرے۔ ان سے کبھی نہیں پوچھیں کہ کہاں وقت گزار کر آئے ہو۔ میری مگرانی کیسے ہوتی ہے جیسے کسی دوشیزہ کی..... کہاں گئے تھے؟ کس سے مل کر آئے ہو؟ فون پر کون تھی؟ اب چاہے وہ "تھا" ہو۔ مگر اماں..... میری فکر میں پریشان....."

"چل جانے دے۔ میں خود جا کر لے آتی ہوں۔ تیرے ساتھ مغز ماری کر کے کیا ملے گا بھلا۔" اماں غصے میں اندر جا کر چادر لے آئیں۔ بابر نے اخبار سے نظر ہٹائی۔ اشتہار رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اماں! میں چلا جاتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔"

"ہٹا! یہ ہمایوں....."

"ہاں۔ اب گالیاں دیں مجھے۔ کوسیں' دیکھ نہیں رہیں۔ کس قدر ضروری کام کر رہا ہوں۔ بسنت آنے والی ہے۔ مقابلے میں اتر گیا تو بدنامی ماں باپ کی ہو گی کہ کیا سکھایا ہے۔"

"ظاہر ہے۔" "اماں چلائیں۔ "اماں باپ کی ذمہ داری بسنت کے مقابلے میں بہت کمی ہے۔ کمبخت کبھی عقل کی بات بھی کر لیا کر۔ ماں باپ کو خوش کرنا ان کا فرض ہے۔ مگر مجھے ان لوگوں غیروں سے فرصت ہو تو ماں کی سنے۔"

"اماں! اپنوں سے غیروں کے کام کر کے ثواب کماتا ہوں۔ بی۔ اتنی دعائیں ملتی ہیں کہ جی خوش ہو جاتا ہے۔"

"اور ماں باپ تو جیسے۔" بابر باہر جا چکا تھا اماں کو شدید کوفت ہوئی۔

"میرا بچہ ذرا دیر کو آ کر بیٹھا۔ تجھے مگر کوئی احساس نہیں۔ وہ چلا گیا تو بیٹھا پتنگ جوڑتا رہا۔"

"اس لیے اماں کہ بھائی دفتر میں تو کرسی پر بیٹھے بیٹھے جم جاتے ہیں۔ گھر آ کر تو انہیں ہلتے جلتے رہنا چاہیے ورنہ زنگ لگ جائے گا۔"

"کمبخت پھر بکواس کی۔ کبھی اچھی' دل خوش کرنے والی بات نا کرنا۔ اچھا؟"

"کرتا تو ہوں اچھی بات۔ بھائی کی شادی کی۔ دنیا کی مائیں اولاد کی شادی کے نام پر پھول کی طرح مہکنے لگتی ہیں۔ کلی کی طرح کھل جاتی ہیں۔ ایک آپ دنیا کے نرالی ماں ہم نے دیکھی ہیں۔ جو بیٹے کی شادی کے ذکر پر مرجھا جاتی ہیں۔"

"ارے تو کہاں کر دوں شادی۔ کیسے کروں؟" زچ ہو کر رہ گئی تھیں۔

"کیوں۔ اب تو بھائی کما رہے ہیں اور ہم چاروں کے لیے آپ نے ہمارے بچپن سے ہی دلہنوں کے لیے کچھ نہ کچھ جوڑ کر رکھا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ سلیقہ مند' دور اندیش مائیں بچوں کے پالنے میں آتے ہی ان کے لیے جہیز بنانا شروع کر دیتی ہیں۔ خاندان میں آپ کے سلیقے کی دھوم یونہی تو نہیں مچی ہو گی۔ کچھ تو سچائی ہو گی۔"

اماں کو ہنسی آ گئی مگر منہ پھیر کر بیٹھ گئیں۔ ہمایوں اسی انہماک سے پتنگوں میں لگا رہا۔

رات کھانے میں مرچ کچھ تیز ہو گئی۔ شاہ جہاں زیادہ ہی نازک مزاج تھا۔ بے چارے کا منہ انگارہ ہو رہا تھا سرخ۔ ہمایوں نے دیکھا تو ترس آ گیا۔

"اماں! آپ صبح کن لوگوں کا ذکر کر رہی تھیں۔ بندے جہاں ہوئے تھے۔ بچا کھچا حلوہ ہو گا۔ مانگ لاؤں؟"

اماں نے ماتھا پیٹا۔ "یہ ضرور سارے میں مجھے بدنام کر کے رہے گا۔ کدھر سے فقیر پیدا ہو گیا۔"

"فقیر؟ یہ جو ہر روز آس پاس والے ہمارے ہاں چیزیں مانگنے آتے ہیں۔ فقیر ہیں؟ لو۔ مجھے کیا پتا تھا۔ میں تو بڑی عزت سے پیش آتا ہوں۔ کبھی نہیں کہا کہ بابا معاف کرو۔"

"بھائی۔ کوندوں کا حلوہ گھر سے باہر نہیں بھیجا جاتا۔" جہانگیر کی بہت معلومات تھیں۔

"تو جا کر کھا آتے ہیں۔ چل شاہے! تم بھی چلو

جہانو۔" جہانگیر کو بھی دعوت دی۔

"میں کہتی ہوں۔ اس لڑکے کے دماغ کا علاج کروائیں۔ لٹیا ڈبوئے گا خاندان کی۔"

اماں کے تکوے سے لگی سر پہ بجھی۔ یوں تو سر سے لگی تکوے پہ بجھتی ہے مگر اماں کا لہجہ آگ تھا۔

"بھائی! تمہیں شوق ہے تو گھر پر بنا لیتے ہیں۔ سوجی لے آتا ہوں میں۔" جہانگیر نے مشورہ دیا۔

"کیوں بنا لیتے ہیں۔ ان کے گھر کا کیوں نہ کھائیں مزیدار بنا بنایا۔ تم تو لتی بنا کر رکھ دو گے۔"

"چلو بحث ختم کرو۔" ابا نے فیصلہ کیا "کوئی گڑ کا ٹکڑا ہو تو لے آ۔"

"گڑ۔" ہمایوں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "صبح نومی لوگوں کے گاؤں والے چچا آتے نظر آئے تھے۔ ایک بوری ساتھ تھی۔ یقیناً "گڑ لائے ہوں گے میوے والا چلو شاہ جے! جہانو چلتے ہیں۔"

مگر شاہ جہاں کی انا تھی اور جہانگیر چھوٹے بھائی کے انکار کے بعد ہمایوں کی دعوت پر اقرار کیسے کرتا۔

"میں تو کھا کر آؤں گا۔ پڑوس کا کوئی فائدہ بھی ہونا چاہیے۔"

اس نے باہر نکلنے میں دیر نہ کی۔ اماں ابا کو پڑوسیوں کی بے مروتی' بے گانگی کے قصے سنانے لگیں۔ محلے والوں کو نظر انداز کرنا" سمدھیانوں کی فوجیں..... وغیرہ۔

ہمایوں نے سامنے کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلتے ہی دندناتا ہوا۔ دادی کو پکارتا ان کے کمرے میں گھس گیا۔ فائزہ دروازے کے پاس کھڑی حیران رہ گئی۔ مڑ کر دیکھا تک نہیں بدتمیز نے کہ کس نے دروازہ کھولا ہے۔ بندہ کچھ رکتا ہے پوچھتا ہے۔ مگر نا جی۔ ہمایوں بندے کو کسی سے غرض نہ ہوتی۔ لڑکیوں سے بات کرنا تو یوں بھی وہ کسرِ شان سمجھتا۔

دادی کھانا کھانے کے بعد گڑ کی ڈلی منہ میں لیے بیٹھی تھیں۔ کچھ بول نہ سکیں۔ اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہا۔ ہمایوں کرسی پر ڈٹ گیا۔ پھر وہ دادی کو محلے والوں کی بے مہری کے قصے سنانے لگا۔ کس طرح رجب کے کونڈوں کا کونڈا ہوا کہ کسی پڑوسی کو پوچھا تک نہیں۔ ابھی دنیا کی بے ثباتی پر لیکچر جاتی تھا کہ نومی آگیا۔ بڑے جوش سے گلے ملا۔ جیسے ابھی عید کا چاند دیکھ کر آیا ہو۔

"یار نومی! دادی کو آخر کون سی بیماری ہو گئی ہے کہ کچھ بول نہیں سکتیں۔ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا تھا۔ علاج کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ بڑھاپے کی بیماری کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔"

نومی ہنسا۔ "بولیں کیسے۔ منہ میں گڑ کی ڈلی ہے بیماری نہیں ہے۔"

"گڑ کی ڈلی۔ اوہو۔ میں سوچ رہا تھا کہ کروڑ پتی اسٹور سے میوے والا گڑ لے آؤں۔ ابا کو سخت پسند ہے۔ مگر ارے ایمانی اس اندر بھی گئی ہے کہ کروڑ پتی اسٹور کے گڑ میں میوے سے زیادہ کیڑے بھرے تھے۔"

"گڑ میں کیڑے نہیں۔ تو کیا ہاتھی ملیں گے۔" فائزہ نے پیچھے سے جملہ کسا۔

"بھائی! یہ پہلے لکھ پتی تھا' اسی طرح کروڑ پتی ہے۔" نومی نے انکشاف کیا "ہر کیڑے کی الگ قیمت ہے۔"

"اچھا۔ دادی کی ڈلی گھلنے میں کچھ دیر ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

"ارے۔ ایسے کیوں۔ ابھی گڑ لاتا ہوں آپ کے لیے۔" نومی نے چھلانگ لگائی اور چند لمحے بعد ایک لفافے میں گڑ لایا۔

"بائیں۔ کیا سارا اٹھا لایا۔" ہمایوں نے تکلف برتا۔

"نہیں۔ پوری بوری گڑ ہے۔ اس میں سے دس ایسے لفافے بھر کر دے ہیں یاروں کے لیے۔"

"یار! بری بات ہے۔ آنٹی ناراض ہوں گی۔"

"کیے؟ انہیں کیا خبر۔ یہ تو پار کیے ہیں میں نے۔ امی کو تو گڑ اور لوں گا۔"



دادی کا گڑ اب ختم ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہمایوں کو روکا۔ نومی کو پانی لانے کا کہہ کر ٹالا۔ پھر تکیے کے نیچے سے ایک ڈلی نکال کر ہمایوں کو دی۔

"لے کھا لے۔ مزے کا ہے میوے اور اصلی گھی کا۔"

ہمایوں نے ڈلی لے لی' مگر منہ بنا کر ناز سے بولا۔

"دادی! اتنا سا۔ آپ مجھے نظر گزر کا دے رہی ہیں۔ زیادتی ہے۔"

دادی پوپلے منہ سے مسکرائیں۔ "ارے نہیں۔ تیرے لیے ہی رکھا تھا میں نے۔"

"پھر بھی۔ میں اتنا سا لے کر کیا کروں۔ میرے بھی چھوٹے بھائی ہیں۔ کیا سوچیں گے وہ کہ میں کتنا خود غرض ہوں۔" نومی کا لفافہ پینٹ کی جیب میں مزید نیچے کیا۔ دادی ہائے ہائے کرتی اٹھیں۔ (گھٹنے جو رہ گئے تھے ان کے) الماری سے گڑ کی تھیلی نکالی اور ہمایوں کے ہاتھ میں دے دی۔

"نہیں دادی! اپنا والا سارا تو نہ دیں۔" ہمایوں ہچکچایا۔

"رکھ لے۔ اماں کو دے دینا۔ چاول بنا لے گی اور دیکھ ایک پلیٹ میرے لیے بھیجنا۔"

دونوں جیبیں پھول گئیں۔ کمر میں اڑس لیا تو فائزہ کچن سے نکل رہی تھی۔ کمرے سے اس کی امی کی کھانسی کی آواز آ رہی تھی۔

"ایک کام بتاؤ تو دس لگنے لگائے گی۔ فائزہ! کوئی کام تو وقت پر کر لیا کر۔"

"موسم کیسا چل رہا ہے آج کل؟" ہمایوں نے کن انکھیوں سے فائزہ کو دیکھ کر نومی سے پوچھا۔

"ٹھنڈ ہے کا۔ ابر بادیا بارش کا امکان نہیں۔" نومی چہکا۔

"کبھی کبھار اپنے گھر میں بھی انٹری دے دینی چاہیے۔ ہر وقت دوسروں کے گھروں میں تاکا جھانکی۔ جاسوسی اچھی بات نہیں۔" فائزہ رک کر ہمایوں سے مخاطب ہوئی۔

"اللہ گواہ ہے۔ جاسوسی کی ضرورت ہی نہیں۔ دشمن کے کان بہرے۔ ہم سن لیتے ہیں۔"

ہمایوں نے نومی کو کہنی ماری۔ "بہت تعریفیں ہو رہی ہیں۔ تم سن رہے ہو؟"

فائزہ نے نومی کو دھکا دیا اور تنتاتی ہوئی کمرے میں جا گھسی۔

دونوں جیبیں ابا کے سامنے خالی کر دیں۔ جہانگیر نے سب سے پہلے ہلہ بولا۔ مگر اماں نے پیچھے سے تھپڑ مار کر گڑ اس کے ہاتھ سے گرایا۔

"کمبختو۔ ندیدے جہان بھر کے۔ مانگے تانگے کی چیزوں پر نیت خراب کرتے ہو۔ شرم نہیں آتی۔"

"سچ اماں! تانگے پر ہرگز نہیں گیا' پاؤں پاؤں گیا تھا۔ مانگا نہیں تھا قسم سے۔ تحفہ ملا ہے۔ دادی نے کہا ہے میٹھے چاول پکا کر انہیں بھی بھیجنا۔"

اماں بیٹوں کو برا بھلا کہتی چلی گئیں۔ اب سب کے منہ میں ایک ایک ڈلی تھی۔ مع ابا کے۔

"بیٹا! صبر اور قناعت سب سے بڑی دولت ہے اور تم میں صبر نام کی کوئی چیز نہیں۔ کل حنی صاحب خود ہی یہ تحفہ بھیج دیتے۔ تو تمہیں آج اماں کی باتیں سننے کو نہ ملتیں۔ انسان ہلکا ہو جاتا ہے۔ خود اپنی نظر میں کمتر۔"

ابا نرم لہجے میں نصیحت کرتے تھے۔ ہمایوں واقعی

شروع ہو گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

بیٹی پھپھو کے بیٹے کی شادی تھی۔ اماں تو کئی دن پہلے ہی وہاں جا کر انتظام میں ہاتھ بٹانے میں مصروف ہو گئیں۔ چھوٹی بہن بھائی بار بار ضد کرتے رہے کہ سب سے پہلے نانی کے گھر ضرور چلو گے۔ وہ جانے کا بہت مشتاق تھا۔ اس لیے اپنا روپ دکھانے کا بڑا شوق تھا۔ شاید فائزہ کچھ مرعوب ہو کر نرم پڑ جائے۔ مگر اس کی گردن میں تو سریا فٹ تھا۔ اکڑی رہتی۔ بولی نے بھی ایک سن کر دیا۔

"جیسا اس طرح بن سنور کر جا رہا ہے، لگتا ہے کہ بارات لے کر وہیں جا رہا ہے۔"

پھر ادھر سے گزرتی فائزہ کو نواز کر کہا۔ "بہت مزہ آئے گا۔ فائزہ مزہ لیں گی۔" بہنوں کو خوشبو میں نہلایا دیکھا کچھ کمی۔ مرچیں چھینک کر باہر نکل گئی۔ "دادی ہیں نا۔ مرچیں چھینک کی۔"

بہنوں نے مرچیں اٹھا دیں۔ ایک ایک چن کر دادی کے حوالے کی۔ پھر اترا تا ہوا باہر نکلا۔ اس پر بھی جلانے والی مسکراہٹ فائزہ پر پھینکے۔ مسکراتے ہیں۔ حسین ہی چھوٹے ہیں۔ تم بڑے ہو کر بڑے ہونے کے چکر میں خوفناک ہو جاؤ گے۔ مرچیں کی جگہ۔"

بہنوں نے قہقہہ لگایا اور باہر نکل گیا۔ دادی بہن سے بچل رہی تھیں۔

"بات مرچیں چوٹے میں ڈال دیں۔ بچاں ہے ذرا سی دھماکہ خیز ہو گئے ہوں۔"

دادی بہنوں کی پکار پر فوراً وہیں حاضر ہو گئیں۔ بچل جمع کر کے باب بن کی۔ اب بہنوں میں بچل رہی تھی۔

"کہتا ہے بہنوں سے۔" دادی بچے کہہ رہی تھیں۔ پھپھو نے بھائی سے کوئی بات کی۔ اسی کا بھانجہ اس بھائی کی سماعت سے ٹکرایا۔

"ہماری ایسی قسمت کہاں ہے۔"

یا اللہ یہ بچہ میں کیا کی قسمتوں کے فیصلے ہونے لگے۔ دعاؤں پر ماتم کھائی پیا ہم نکلی۔

"آپا کا مزاج دیکھا ہے کب سے" اسی کی کسر تھی۔ "یہ شرارتوں کے لیے شہزادیوں کی قسمت ہیں۔ اماں اصل جائے۔"

چھوٹی کوشش کرنے میں کوئی حرج ہے۔"

پھپھو اسی کو پیچھے چھوڑنے لگیں۔ اسی پھپھک گیا۔ ان سماس ہونے تھے۔ بھی سہو گے۔ تھے۔ ہو کی خاص ہوتے۔"

کی تھا۔ تھے۔ بھی سہو گے۔ ہی تھی۔ ان تھوں ہو۔ کر تھیں ہو گئے۔ ان تھی۔ کیا تھا۔

ہوا گیا خط پڑھا تھا۔ کاماں سے اس کی خالہ یا تھا۔ خط اماں کے نام تھا۔

"خالہ نے لکھا ہے۔ ماں کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ کاموں میں کوئی ہاتھ نہیں بٹا رہا۔ تمہیں جلد از جلد پہنچنا ہو گا۔ ورنہ ماں ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

اماں پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

اے۔ ہے اللہ۔ میں اماں کو آخری بار

دعاؤں نے بھائی کو بھیج دیا ہے۔ خالہ کو تسلی ہو جائے گی۔ دعاؤں نے خوش ہو کر۔

تمہارے پاس ایک دو روز کوئی کام تو نہیں ہے۔

"نہیں ہے۔ ہو گا کہ تعلیت تو نہیں ہوتی۔ بچل ہے۔ دعاؤں نے معصومیت سے کہا۔

"مگر بچل ہوتی ہے۔" جہانگیر اور شاہ جہاں کب پیچھے رہتے۔ "ایک بچہ گود میں تو بھی کوئی

ہے۔ ہم بھی بے فکر ہو جائیں۔ ان کی تسلی ہے

پیسے کر دادی اور ایک پیارا سا روپے کی دے دی۔ تھی۔ پیسوں کی پوری بھر دیا۔ پچاس روپے کھرے کر لیے۔ انجوائے چاہے۔ دو فقرے کی کرسی پر بیٹھے گھیاں مارتے رہتے ہیں۔ خالی تنخواہ میں گزارا ای کب ہوتا ہے۔

"اماں ہے۔ کیا بکواس ہے۔"

چلیں۔ "مقابلہ کون کرا رہا ہے۔ کرکٹ کا تبصرہ کر رہے ہیں۔ ایک پچاس روپے ہاری کے نہ پھٹکری اور وار سے

ہوں پچاس روپے ہاری کے نہ پھٹکری اور وار سے

ہار کے

اماں کی اترتی ہوئی چیل شاہ جہاں کی پیٹھ پر گرم ہاتھ کی طرح تھی وہ مستقبل کا ہونہار فوراً کر

"نہیں۔ نہ چھوٹا۔ میری ماں بیمار ہے

ہے اس کے جان نہیں چھوڑتے۔ کیا یوں کی فکر مر جاتے ہیں۔" اماں غصہ اور فہم سے

بچوں کے شانے

بھی

"فکر کون کی

"مشکل ان حرب کی بیٹی فکر ہے۔ بیوقوفی کے ہم بھی ہیں۔ کہیں ماں نے ان کو یہاں کا ٹرین کس ٹھیک سے سمجھا دیا ہے کہ نہیں۔" دعاؤں کی آنکھوں میں فکر اور سوچ کا عنصر نمایاں تھا۔

"ہیں۔ اماں بھلا اسے یہاں کا ٹرین کیوں سمجھائیں گی؟" اماں پر حیرت کا پہاڑ سا گرا۔

"ہاں۔ یہاں سے کوئی جا سکے نہ جا سکے۔" جہانگیر کی کوڑی لایا۔

"ہاں۔ کوئی بھی اماں کے کاموں میں ہاتھ نہیں بٹاتا۔ مگر وہ بھی بے فکر ہو جائیں۔ ان کی تسلی ہے

لور۔ "دعاؤں آرہے۔ منتظر تھا۔

"ہوں۔ ہاری۔" شاہ جہاں آخری بار اکڑنے کی خواہش رکھتا تھا۔ اسے ہاری کی بھی فکر تھی۔ "ہتھ نہ کرے کہ ایسی کچھ ہو۔ لیکن اگر کچھ ہو گیا۔ تو میں بھائی اماں کے پاس نہ رکھوں؟ ایسی بھائی۔" وہ دعاؤں سے اجازت طلب کر رہا تھا۔

"ہوں۔ بھی کوئی اچھی بات بھی کر لیا کرو۔" "اماں بھتا کر دیں۔" "میری ماں کی بیماری سے زیادہ اس منحوس کھوپڑی کا کرا ور فکر۔"

"اماں حقیقت سے نظریں اتاب سے بچنے کی غلطی ہے۔" دعاؤں سنجیدہ تھا۔ "آپ خود ہی عزیز کو یہاں بلا لیں۔ بھائی اماں کی فکر دور ہو جائے گی۔ خالہ نے بھی یہی لکھا ہے خط پڑھو جا کر۔"

"واہ۔ کیا خوب۔ اے بلا لوں۔ واہ۔ کیا اچھا مشورہ دیا ہے تمہاری خالہ صاحبہ نے۔ تاکہ میرے لوہے چبا جائے۔ سن لو۔ یہ کان کھول کر میری پسند نہیں بن سکتی۔ میرا بیٹا شہزادہ سلیم ہے۔ اسے حسین لڑکیاں ہی کیا ہی۔" اماں کے لہجے میں فخر تھا۔

"تو چلیں۔ بھاڑ جھونکتی رہیں ان کے لیے انار کلی" یا ملکہ نور جہاں۔ عزیز سے میں کر لوں گا۔ بھائی اماں کی خاطر ان کی مشکل آسان ہو۔"

دعاؤں کن انکھیوں سے باہر کو دیکھ رہا تھا۔ جو ایک لمبا بانس لیے اوپر جانے کے لیے صحن میں آیا تھا۔ کرایا شنے لگا۔ دعاؤں کا حملہ پورا ہوتے ہی وہ غصہ و غضب کی کیفیت میں بانس لے کر اس کی طرف جھپٹا۔ دعاؤں بچ کر بھاگا۔ آگے دعاؤں پیچھے بانس۔ یار غصے میں تھا جبکہ دعاؤں قہقہے لگا رہا تھا۔ اماں الگ چلا رہی تھیں۔

دعاؤں آخر کار کرکٹ ٹیبل کے نیچے گھس گیا اور چیخ چیخ کر چلانے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ ٹیبل کے نیچے سے نکالے ہوئے تھے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں دعاؤں کو بھاگتے دیکھ رہے تھے۔ قہقہے لگانے لگے۔

چوروں کی طرح گردن جھکائے دعاؤں کمرے سے باہر نکلا تو بابر اس کے پیچھے کمرے میں بانس دوڑاتے ہوئے

تھا۔

اماں کے پاس آکر بابر نے ہمایوں سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "ہاں۔ اب کہو۔" ہمایوں شرمندہ سا کھڑا من مین کرنے لگا۔

"بس ایسے ہی۔ نا میں شہزادہ سلیم ہوں نا مجھے انارکلی کی تلاش ہے۔ اس۔۔۔ اس لیے کہ نانی اماں کا سانس اسی میں اٹکا ہوا ہے۔ کوئی فیصلہ تو ہو۔"

"فیصلہ کرنے کا اختیار تمہیں کس نے دیا ہے؟ ابا نے؟ یا نانی اماں نے؟" بابر گرجا۔

اماں تھملا گئیں۔ "ارے ابھی تو وہ آئی نہیں ہے۔ تو یہ حال ہے کہ ماں کا نام ہی اختیار سے خارج اور جب وہ آجائے گی۔ تب تو۔۔۔ یہ گھر گھر نہیں، میدانِ کارزار بن جائے گا۔ غضب خدا کا۔ بھائی بھائی سے برسرِ پیکار ہے اس کی خاطر۔ ماں کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ فیصلے ہو رہے ہیں۔"

اماں نے غصے سے بابر کو دیکھا۔ وہ شاکی نظروں سے اماں کو دیکھ کر باہر نکل گیا۔ اماں بے بسی سے پلنگ کی چادر درست کرنے لگیں۔ شاہ جہاں بڑبڑایا۔

"لو۔ اب چھت پر انٹینا کون لگائے گا۔ بھائی تو گئے۔"

"تم دونوں غداروں سے تو میں اب نبٹوں گا۔" ہمایوں خطرناک تیوروں سے ان کی طرف بڑھا۔ دونوں اندر بھاگے۔ اماں سر تھام کر رہ گئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

"میں کل اماں کے ساتھ گاؤں جا رہا ہوں۔" ہمایوں نوی سے کہنے آیا تھا۔ "تم ذرا ہمارے گھر کا خیال رکھنا۔ کبھی کبھی جھانک لیا کرنا۔ جہانو شاہے کو بہت تنگ آتا ہے۔ دیکھ لینا پڑھ رہے ہیں کہ لڑ رہے ہیں اور ہاں۔ ابا ویسے تو اپنے سب کام کر لیتے ہیں۔ مگر یار! وہ روٹی بنانی نہیں آتی انہیں۔ بازار کے نان وہ کھاتے نہیں۔ سالن وغیرہ اماں نے کئی طرح کے پکا کر رکھ دیے ہیں۔ گرم کر لیں گے۔ فائزہ سے کہنا کہ رات کو چپاتیاں پکا کر بھیج دیا کرے۔"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔ فکر نہ کریں ہمایوں بھائی۔" نوی ہمایوں کا عاشق زار تھا۔

ہمایوں دادی اور امی کو سلام کر کے دروازے پر کھڑی فائزہ نے صحن میں آکر کہا۔

"میں کوئی خانساماں ہوں۔ وامہ نہیں پکاؤں گی روٹی کبھی بھی۔"

"ساری عمر روٹی نہ پکوائی ہو تو نام بدل دینا۔" ہمایوں نے پلٹ کر جواب دیا۔ پھر اسے تلملاتے سرخ ہوتے دیکھ کر ہنستا ہوا گلی میں آگیا۔

صبح کی بس سے ماں بیٹے گاؤں کے لیے روانہ ہوئے۔ بس سے اتر کر دو قوس کھوڑ۔ تانگے میں بیٹھے۔ جو آگے کم بڑھ۔ اماں کے اکڑے پنجرے ڈھیلے ہو گئے گاؤں پہنچتے تک۔ رہ کر تن آسان ہو گئی تھیں۔ ورنہ یہ گاؤں ان کا میکہ تھا۔ یہاں کی لاڈ پریں ہوئی تھی۔ شروع شروع میں تو ہر ماہ میکے آنے کا شوق تھا۔ لیکن ویسے وہ شہر میں رہنے کی شائق تھیں۔ جب معلوم ہوا کہ شادی کے بعد لاہور رہیں گی تو مارے خوشی کے اچھل پڑیں۔ خالہ بتاتی تھیں کہ آپا نے خوشی میں اپنی شادی پر رقص کیا تھا۔

گاؤں کے آثار شروع ہوتے ہی اماں نے کراہنا اور تانگے والے کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔ بارے گھر پہنچ کر سکون کا سانس لیا۔ خالہ ان سے لپٹ گئیں۔ بچے انہوں نے کس پیچھے نظر دوڑائی۔ ہاں مسکرایا۔ وہ منہ بنا کر اماں سے الگ ہوئیں پھر حیران ہو کر پوچھنے لگیں۔

"بابر نہیں آیا؟"

اور اماں دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہوئی بولیں۔

"اماں کے پاس چلو۔"

صحن کے دوسری جانب پختہ کچن میں کھڑی مزنہ کی آنکھوں کی جوت مدھم پڑ گئی شاید وہ بھی۔۔۔ بابر کی ہی منتظر تھی۔

بے چارا ہمایوں اپنے اس یاد سانہ استقبال پر سٹپٹا گیا۔ خالہ کے بیٹے گھر کی پرانی بولی سب کی زبان پر



"بابر نہیں آئے؟" گویا کہنا تھا کہ پھر یہ فالتو فضول سا لڑکا کیوں آیا ہے۔ اپنی ناقدری پر جھلایا ہوا ہمایوں دھم دھم کرتا کچن میں جا پہنچا۔ مزنہ دوپٹے سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔

"میں کیا بہت خوفناک ہوں۔ دیکھ کر رونے لگیں۔"

"آ۔ آپ۔۔۔ یہاں کیوں آگئے۔ وہاں ہے۔۔۔" چولہا بجھا ہوا تھا۔

"وہاں تمہاری آنکھوں میں بھر گیا ہے۔ ویسے کیا یہاں سلام کا رواج نہیں؟"

"سلام۔" بیچپ کر اس نے ہاتھ ماتھے پر رکھا۔

"جیو۔ جیو۔ بوڑھ سہاگن ہو۔ دودھوں نہاؤ۔ پوتوں پھلو۔ اور کون سی دعا ہوتی ہے آگے۔ خالہ۔" اس نے مڑ کر خالہ سے پوچھا جو ابھی کچن میں آئی تھیں۔ خالہ مسکرائیں۔

"بس۔ اتنی کمی ہے۔ مزنہ! چائے بنالو، آپا بہت تھک گئی ہیں۔ کھانا تو تیار ہے، مگر آپا پہلے چائے کا کہہ رہی ہیں اور ہمایوں! اماں تمہیں بلا رہی ہیں۔"

ہمایوں کے ہاتھ سے وہ کھن کھن۔۔۔ کرتی چوڑیوں کے ہاتھ نیچے گرتی، جو وہ چائے کے پانی لیے مزنہ کو دینے والا تھا۔

"مجھے؟ مجھے کیوں بلا رہی ہیں۔۔۔ مجھے بابر بھائی تو نہیں سمجھ رہیں۔" اس کی آنکھیں پھر بہہ رہی تھیں۔

"خالہ! انہیں سمجھائیں۔ بابر بھائی تو مجھے پھاڑ کھائیں گے۔ میری زندگی اتنی فالتو نہیں ہے۔"

"چل مسخرے!" خالہ ہنسیں۔ "مجھے تیری سب باتوں اور شرارتوں کا پتا ہے۔"

"یعنی کہ ذکر میرا۔۔۔ مجھ سے پہلے اس محفل میں۔۔۔"

"ہاں۔ تو بابر جب بھی آتا ہے۔ زیادہ قصے تمہارے سناتا ہے۔"

ہمایوں سر پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ پھر اس نے "پھپھو" کر کے حلق سے سانس خارج کی۔

"بابر آتا ہے۔" وہ اسی جملے پر اٹک گیا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا؟" خالہ حیران ہو گئیں۔ "ہر دو مہینے کے بعد آتا ہے۔"

"اچھا بچو جی! سمجھ لوں گا۔ دوروں کے بہانے۔"

اماں نانی سے لپٹی ہوئی تھیں۔ نانی نے ہمایوں کو دیکھتے ہی بے مثال پھرتی سے اماں کا بازو ہٹایا اور اپنے سوکھے بازو اس کی طرف پھیلا دیے۔ ہمایوں دنگ رہ گیا۔ پھر ان کے بازوؤں میں سما گیا۔ لب مرگ نانی کے لبوں پر اس کے لیے جو خوش قسمتی، زندگی، عمر اور ترقی کی دعائیں تھیں۔ ان کو سن کر وہ بے ہوش ہونے لگا۔ ارے کہیں یہ میری قربانی تو نہیں دی جا رہی۔ مار ڈالے گا شہزادہ سلیم مجھے۔ میں شیرافگن نہیں بن سکتا۔ باپ رے۔ اب نانی اس کے سلیقے سے جمائے بالوں کو بگاڑنے کے درپے تھیں۔

"تیرا یہ والا بیٹا تو مجھے سب سے پیارا لگتا ہے۔"

ان کے منہ سے یہ الفاظ اس کے حواس پر بم کی طرح گرے۔ وہ ان کے بازو ہٹا کر تیزی سے باہر نکلا۔ خالہ اور مزنہ کو پکارنے سے پہلے اس کی حیران نظروں نے دروازے سے چند باریش حضرات کو اندر آتے اور خالہ کے ساتھ نانی کے کمرے میں جاتے دیکھا۔ وہ مزنہ کی جانب مڑا جو کچن کے دروازے پر ایستادہ تھی۔

"اے۔ لڑکی! سنو۔" بڑے روکھے لہجے میں پکارا۔ "اگر مجھ سے کسی قربانی کی درخواست کی گئی۔ تو یاد رکھنا سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاؤں گا۔ مجھ سے موت کی امید نہ رکھنا۔"

مزنہ مسکرائی اور کچن میں غڑاپ ہو گئی۔ وہ سر اور گدی سہلاتا وہیں کھڑا رہ گیا۔ نہ جانے یہ مولوی لوگ اندر کیا سازش کر رہے ہوں گے اور جب خالہ نے اسے بلایا تو وہ اچھل پڑا۔ پھر اسے یاد آیا۔

"میں مرد ہوں۔ ڈرنے کی کیا بات ہے۔" اور بلا جھجک اندر پہنچا۔ خیر گزری ان میں ایک خالو صاحب تھے۔ دوسرے حکیم صاحب۔ تیسرے کسی عجیب پیچیدہ رشتے سے نانا ہوتے تھے۔ خطرہ ٹلا۔

کھانا بے حد لذیذ تھا۔ وہ سب فکر بھلا کر ذوق و شوق سے مصروف ہو گیا۔

"مزنہ! جاؤ بیٹا! تم نہالو۔ کپڑے میں نے پلنگ پر رکھ دیے ہیں۔ ہمایوں تم بھی کپڑے بدل لو۔" خالہ کہہ رہی تھیں۔ ہمایوں نے لاپروائی سے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔ "ٹھیک ہی ہیں۔ یہاں کون بے دیکھنے والا۔"

"پھر بھی۔ سفر میں۔۔۔ استری خراب ہو جاتی ہے۔" خالہ دبی زبان سے بولیں۔

اسی وقت اندر کمرے سے اماں کی آواز آئی۔

"اماں! آپ کمال کرتی ہیں۔ میں یہاں اس لیے تو نہیں آئی تھی۔ نہ میرا میاں موجود۔ ارے کیا پہیلی پر سر سول۔۔۔"

ہمایوں کے کان کھڑے ہوئے۔ خالہ کو دیکھا۔ وہ نظر چرا گئیں۔

"خالہ! یہ۔۔۔ اماں کیا کہہ رہی ہیں۔"

"وہ۔ کچھ نہیں۔ دراصل آج ہم نے مزنہ کے نکاح کے لیے۔۔۔"

ہمایوں کھانے کا ڈکار لقمہ بھول بھال کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کھانا تو کھالو اچھی طرح۔" خالہ کچھ پریشان ہو گئیں۔ مگر اب اس سے بیٹھا جا رہا تھا نہ کھڑے ہونے میں عافیت نظر آ رہی تھی۔ وہ صحن کے چکر لگانے لگا۔ سینکڑوں فلموں اور ڈراموں۔ ناولوں کے سین یاد آ رہے تھے۔ جب کسی لب مرگ عزیز کی فرمائش اور خواہش پر کسی کو پکڑ کر نکاح کے لیے حاضر کر دیا جاتا۔ وہ خونخوار نظروں سے اس بند کمرے کو گھورتا جا رہا تھا جہاں مزنہ بند ہو گئی تھی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے صحن زرق برق لباس والی لڑکیوں سے بھرنے لگا۔

"اے۔ یہ اتنے چمکیلے کپڑے کیوں پہنے ہیں تم لوگوں نے۔" اس نے ایک لڑکی سے پوچھ ہی لیا۔

"آپ کو نہیں پتا؟" لڑکی نے ترحم آمیز نظر سے اسے دیکھا۔ "آج مزنہ آپا کا نکاح ہے۔"

"اچھا مگر کس سے۔" وہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔

"نکاح تو مسجد میں ہو گا۔ گراؤنڈ میں دیگیں پک رہی ہیں۔" کسی اور نے اطلاع دی۔

"میں مسجد میں جاؤں گا ہی نہیں۔ ادھر ادھر ٹہل جاؤں گا۔" اس نے طے کیا اور پلنگ پر لیٹ گیا۔ تھکن سے نیند آ گئی۔ سوتے ہوئے خواب میں اس نے ایک قاضی صاحب کو اپنے اوپر حملہ آور ہوتے دیکھا۔ اچھل کر اٹھ بیٹھا۔

پورا صحن اجنبی چہروں نت نئے لوگوں سے بھر چکا تھا۔ سورج اب نیچے جا چکا تھا اور ہلکی سی روشنی تھی۔ پھر اس نے ابا کو دروازے سے اندر آتے دیکھا تو ڈر گیا۔ یہ کیا کرنے آئے ہیں نانی اللہ کو پیاری تو نہیں ہو گئیں۔ کہیں گاؤں میں یہ رواج تو نہیں کہ مرنے والے کے۔۔۔ زرق برق لباس پہن کر۔۔۔ کا نکاح۔ تو ابا کیا اس کام کے لیے۔۔۔ آئے ہیں تو وہ مقابلہ کرے گا۔ ان کا اشارہ ابھی حکم کا درجہ رکھتا تھا۔ خوف سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ "مرد بنو۔ مرد۔" اس نے لڑکھڑاتی آواز میں خود کو سرزنش کیا۔

وہ سنہری روپہلی شام بڑی دلکش ثابت ہوئی۔ جب اس نے متوقع قید کے فنکشن سے نکل بھاگنے کے ارادے سے قدم باہر نکالے۔ گلی میں چند نوجوانوں کے جھرمٹ میں اسے شہزادہ سلیم کا جلوہ دیکھنے کو ملا تو اس کے حلق سے خوشی اور اطمینان کی لمبی چیخ برآمد ہوئی۔ وہ جھومتا ہوا۔ رقص کے انداز میں دوڑتا آگے بڑھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کے گرد کی بھیڑ کو چیرتا دھاڑے مار کے سینے سے چپک گیا۔ ہائے۔ آزادی۔ بے پایاں سکون۔

"یہ بھائی! تم آ گئے شکر ہے۔ میں تو بڑا کنفیوز ہو رہا تھا کہ بس اب مجھ سے قربانی طلب کی جائے گی اور مزنہ کی شکل میں ایک چھری میری گردن پر پھیر دی جائے گی۔"

اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ بابر نے اسے زور کا دھکا دیا۔

"ہم ابھی اتنے بھی بے بس نہیں ہوئے۔ اپنی چیز کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ کوئی ہماری چیز ہتھیانے



آئے تو اسے دھکیل دیتے ہیں۔ اسی طرح۔"

بابر کا موڈ یکدم خراب ہو گیا تھا۔ ہمایوں ہونق سا ہو کر بابر کو دیکھتا رہا۔ اس کے گرد اس کے دوست تھے۔ یعنی موصوف لاہور سے پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے۔ بارات لے کر۔ لیکن آخر اس قدر جلدی کیسے آ گئے۔ ہیلی کاپٹر؟ اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ یعنی اس سوال کو بھیجو۔ کسی دوست کی بھیجو پر آئے تھے۔ اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ بوجھ اتر جائے تو انسان شوخ شنگ ہو جاتا ہے خود بخود۔ دل چاہ رہا تھا لطیفے سنائے، رقص کرے۔ مگر بابر منہ موڑے کھڑا تھا۔ وہ پلٹ کر گھر میں گھس گیا۔

صحن عبور کر کے اس بند دروازے کو دھکا دیا۔ جو ایک اشارے میں پاؤں پاٹ کھل گیا تھا۔ اندر۔۔۔ سرلی چھیڑ دراڑنے والی میٹھی دھمکیاں کان کے پردے پھاڑنے لگیں۔۔۔ اتنے کم عرصے میں ہی کمرہ کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ رنگ برنگی، نیلی پیلی، گلابی اودی پنکھیں۔ (اے تو ایسا ہی لگا) وہ ان کے درمیان جگہ تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے دوڑ لگا دی۔ باہر گلی خالی تھی۔ اندر آگرہ کی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔

اماں۔۔۔ لیلے جا رہی تھیں۔ بے بسی، بے کسی۔ اماں کے تور والی۔ فاک۔۔۔ وہ ولی عہد تھیں۔ جب وہ چاہتی تھیں کہ نکاح نہ ہو۔ وہ ولی عہد بہادر نے بھی منظور نہ کیا۔ نکاح منظور اور۔۔۔ وہ بھی کے لیے انکاری ہو گئیں۔ خالو اور نانی اڑ کے کہ یہ ضروری ہے۔

"گھر میں کوئی تیاری نہیں۔ کیا اکیلے دھندھار گھر میں نئی دلہن کو لے جا کر بٹھا دوں؟ نہ صفائی نہ اہتمام۔" وہ سخت پریشان تھیں۔

"نکاح بھی بغیر اہتمام کے ہو ہی گیا۔ اب رخصتی کے لیے کیوں روڑے اٹکا رہی ہو۔ دلہن کوئی غیر نہیں اپنی بیٹی ہے۔ وہ خود جا کر صفائی کر لے گی۔ تم اہتمام کر لینا۔"

ابا نے تو کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں۔ اسی نتیجے میں اگلے دن وہ سب عازم لاہور ہوئے۔

ہمایوں کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ شوخیاں عروج پر تھیں۔ نانی نے بھی کیسا کامیاب گیم کھیلا تھا اور اب روتی بسورتی مزنہ کو خوش کرنے ہنسانے کی ساری ذمہ داری اس نے اپنے سر لے لی تھی۔ ٹرین میں مزنہ کے ساتھ بیٹھا اس کے گھونگھٹ میں سر ڈالے نہ جانے کیا سرگوشیاں کرتا۔ پھر خود ہی ہنستا۔ بابر کے بگڑے موڈ کی اسے ذرا پروا نہ تھی۔ بابر سامنے کی سیٹ پر بیٹھا ہمایوں کو گھور رہا تھا۔ کہاں تک صبر کرتا۔ جونہی اماں کی ابا سے تم تم میں میں شروع ہوئی۔ وہ ہمایوں کو ہٹا کر اس جگہ پر بیٹھ گیا۔ ہمایوں کو کنارے پر ہونا پڑا۔

بابر نے ویری کا ریکارڈ توڑ کر مزنہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر چپکے چپکے نہ جانے کیا کہتا رہا۔ پسنجر ٹرین آرام سے کھڑکھڑاتی دھڑدھڑاتی رواں تھی۔ اسٹیشن پر کوئی استقبال کے لیے نہ آیا۔ کسی کو خبر ہی نہ تھی۔ مگر گھر میں خاصی رونق تھی۔ رشتے دار۔ محلے والے استقبال کو موجود۔

اماں کی حیرت سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جہانگیر اور شاہ جہاں باقاعدہ چھلانگیں لگا رہے تھے۔ انہوں نے اوپر کے کمرے کو "حجرہ" عروسی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ فائزہ، صائمہ اور فضہ کو بلا کر گھر کی صفائی کروائی۔ اندر سے برتن نکلوائے۔ غرضیکہ کہیں کوئی کمی نہ تھی۔ حتیٰ صاحب یعنی نوی، فائزہ کے والد نے دیگیں پکوالی تھیں۔ اماں کا سر چکرایا، وہ اندر جا کر لیٹ گئیں۔ ہمایوں کے ابا نے جانے سے پہلے سب کو ہدایات بذریعہ فون دے دی تھیں۔ ان کی بھتیجیاں بھانجیاں بہوئیں سب آ گئی تھیں۔ اماں کو شکست کا احساس کھائے جا رہا تھا۔

ہمایوں نے مزنہ کے پاس آ کر چپکے سے فائزہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ فائزہ ہے۔ ہمارے گھر نہیں آتی۔ کہتی ہے کہ یہ شہزادوں کا محل ہے۔ میری جیسی کنیز کا یہاں کیا کام۔"

"اب آیا کرے گی۔" مزنہ شوخی سے بولی۔ "میں

جو آگئی ہوں۔"

بابر نے نہ جانے کیا کہہ دیا تھا کہ مزنہ بڑی پر اعتماد ہو گئی تھی۔ ٹرین کا وہ سفر اس کے خوف کو ختم کرنے میں کامیاب رہا۔ فائزہ ان کے گھر بہت ہی کم آتی تھی۔ بلکہ محلے کی ساری لڑکیاں ان کے گھر آتے ہوئے گھبراتی تھیں۔ اس وقت تو بابر کی آنا "فانا" شادی' دلہن کی آمد اور جہانگیر' شاہ جہاں کے اصرار پر سب لڑکیاں آگئی تھیں۔ دلہن دیکھنے کا شوق تو سب کو ہوتا ہے۔ مگر بابر کی دلہن کو خاص نظر سے دیکھنا تھا۔ اماں اس قدر شہزادوں کا ذکر کرتیں اور کوئی لڑکی ان کی نظر میں سماتی ہی کہاں تھی لیکن مزنہ کو دیکھ کر سب حیران تھیں۔ وہ کوئی خاص حسین تو نہ تھی۔ یقیناً" اس میں بابر کی پسند کا دخل تھا۔

اماں کے موڈ سے بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ان کی پسند پہ دہ ہونہ تھی۔ گو کہ سکی بھتیجی تھی۔ سب کی توقع پر پانی پھر گیا تھا۔ ولیمہ بھی ہوٹل میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ مزنہ کو بابر کی چچا زاد بہنوں نے کسی ماہر بیوٹیشن کے حوالے کر دیا تھا۔ وہ ولیمے کی دن پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ رشتے دار خواتین بھی بابر کو مبارکباد دے رہی تھیں کہ جیسی حسین بہو اس گھر کے لیے ہونا چاہیے تھی۔ ویسی ہی ڈھونڈ لائیں ہماری چچی۔

"آخر ہماری چچی کی بھتیجی ہے بھئی اور ہماری چچی تو ہمیشہ سے رونق محفل ہیں۔ آج بھی جس کے گھر چلی جائیں وہ گھر چمک اٹھتا ہے۔"

"جناب ممانی سدا بہار ہیں۔" پھوپھی زاد بہن نے داد دی۔

اماں تعریف سن کر خوش تھیں۔ مگر انہیں اپنے شوہر پر غصہ بھی آرہا تھا۔ چپکے چپکے نہ جانے کہاں سے کس طرح بہو کے لباس اور زیورات کا انتظام کر لیا تھا انہوں نے۔ دراصل ولیمہ بھی اسی لیے ایک ہفتے بعد کا رکھا گیا تھا تاکہ سب تیاری مکمل ہو جائے۔

بابر کی چچا زاد پھوپھی زاد بہنیں بہت کارآمد ثابت ہوئیں۔ اماں نے جواب طلبی کی تو بابر نے کہہ دیا۔

"میرے بڑے بیٹے کی شادی' کیا روکھی پھیکی ہوتی۔ اس کی خوشی کی خاطر اب تم بھی خود کو بدل لو بہو تمہاری بھتیجی ہے۔ اسے بیٹی سمجھو۔ بابر کی خاطر ناراضی ختم کر دو۔ سب خوش ہیں۔ بابر تمہاری وجہ سے فکر مند ہے۔ اپنے بچوں کی خوشی کا احساس ہم نہیں کریں گے تو دوسروں کو کیا پروا۔"

ابا کہا کرتے تھے میرے بیٹے بہت لائق' سعادت مند ہیں۔

مگر ان کے لہجے میں نیازمندی اور خدا کے لیے احسان مندی' شکر گزاری کا تاثر ہوتا۔ اماں فخریہ بیٹوں کے اوصاف بیان کرتیں' لیکن یہاں ان کو ایک دھچکا سا لگا۔ بابر سے انہیں یہ امید نہ تھی کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر سکے گا۔ وہ بھی شادی جیسا اہم فعل۔ ان کے خفگی کے انداز دیکھ کر بابر شرمندہ تھا ہی۔ مزنہ خاصی خوف زدہ رہتی۔ ہمایوں کے وار سے چھوٹے دیور کی ہنسی مذاق' بابر کی یقین دہانی سب ایک طرف اور پھپھو کی بے اعتنائی۔ کریز سب پر بھاری۔ پہلے دن صبح وہ نیچے آئی۔ بابر نے کہا تھا۔

"یہ پہلے تمہاری پھپھو کا گھر ہے۔ شرمانے گھبرانے کی کیا ضرورت۔ جاؤ۔ اماں کو سلام کرو۔ دعائیں لو۔"

وہ بڑے اعتماد کے ساتھ آئی تھی۔ ہمایوں دیکھتے ہی لپکا گیا۔ اماں کے پاس لے گیا۔

"اماں یہ بھابھی دلہن سلام کرنے آئی ہیں۔"

"اچھا!" اماں نے بے تاثر' لہجے میں کہہ کر رخ موڑ لیا اور تکیے کے نیچے سے بٹوہ نکالا۔ اس میں سونف چھالیہ تھی۔

"بیٹھو بھابھی!" ہمایوں نے مزنہ کو اماں کے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "ابھی اماں بٹوے سے اشرفیاں برآمد کریں گی منہ دکھائی سلامی وغیرہ کے لیے۔ دیکھو۔ تمہیں کیا کچھ ملتا ہے۔ میری دلہن کے لیے تو کچھ بچے گا نہیں۔ یقین ہے۔"

وہ مزنہ کی جانب متوجہ تھا کہ اماں کی جانب سے پٹھ پر دھپ دھپ رسید ہوا۔

"یہ لے لگ۔" کہہ کر وہ پھر بٹوے کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ بالکل اس میں کھو گئیں۔ ہمایوں اشارے



سے مزنہ کو اٹھا لے گیا۔ گھر میں چچا زاد بہنیں موجود تھیں۔ ناشتہ تیار تھا۔ ہنسی خوشی سب مصروف ہو گئے۔

مزنہ کی بھوک بالکل اڑ گئی۔ پھپھو کا رویہ دل شکن تھا۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

بعد میں بھی پھپھو نے سرد مہری اور بیزاری کا اظہار کیا۔ اسے کوئی کام نہ کرنے دیتیں۔

"میں کروں گی۔ مجھے عادت ہے۔" کہہ کر اسے مایوس کر دیتیں۔ مگر بابر اور ہمایوں ہمت بندھاتے۔ ہر طرح دلاسا جھوٹا لگتا۔ پھر بابر کی خالہ اسے لینے آگئیں۔ وہ بابر سے ناراض تھیں۔

"اماں مزنہ کو بہت یاد کر رہی ہیں۔ تم سے اتنا نہ ہوا کہ اسے اماں سے ملوانے لے آتے۔ اماں نے اسے بلا بھیجا ہے۔ ماں اتنی فکر رہتی ہے۔" خالہ بابر سے شکوے کرنے لگیں۔

"فکر کی کیا بات ہے۔" "اماں برا مان گئیں۔" "اللہ نہ کرے یہاں اس پر ظلم تو نہیں ہو رہے۔ اور بھئی' جب بیاہ دیا تو پھر یاد کرنے کا کیا مطلب۔ جب بابر کو چھٹی ہو گی تو لے جائے گا۔"

"تیا! آپ کی کوئی بیٹی نہیں۔ اس لیے آپ کو اس کا اندازہ نہیں کہ بیٹی بیاہنے کے بعد اس سے ملنے کی۔ اس کی خوشیوں کی تب ہی رہ جاتی ہے۔"

"ہاں ہمیں خوش نہیں۔ اور یہ نئی خبر ہے۔" سلمے خود ہی ڈرامہ کرنے لگا یا ساتھ ہی میرے میاں کو اور بیٹے کو بلوا لیا۔ میرے چاند سے بیٹے سے اپنی کالی کلوٹی پوتی کو بیاہ دیا۔ کیسا داؤ ڈلوایا میرے اوپر۔ ہائے میں کتنی بے بس تھی۔"

"تیا! چاند میں گرہن بھی لگ جاتا ہے۔" خالہ ہنس کر بولیں۔ "سوچ لیں۔ قسمت میں نہ ہوتا تو کیسے سب ممکن ہوتا۔ فرض کریں بھائی صاحب اور بابر نہ پہنچ پاتے۔"

"تو ہمایوں جو موجود تھا۔ اماں کو بس پوتی کا گھر بسانا تھا۔" اماں سخت خفا تھیں۔

"توبہ۔ توبہ۔" ہمایوں نے گال پیٹ پیٹ کر سرخ کر لیے۔ "دیواریں چنوانے کا سارا انتظام۔"

♥ ♡ ♡ ♥

فائزہ دوستی کے معاملے میں بڑی محتاط تھی۔ اسکول میں بھی اس کی بس دو تین لڑکیوں سے ہی دوستی تھی۔ البتہ محلے کی سب لڑکیاں دوست تھیں۔ اس کی بڑی بہن مائدہ دوستیوں کے معاملے میں بڑی فراخ دل تھی۔ ان گنت لڑکیاں اس کی دوست تھیں۔ لیکن امی کو دوستوں کا گھر بلانا یا ان کے گھر جانا — پسند نہ تھا۔ انہیں زمانے پر اعتبار نہ تھا۔ وہ اصولوں کے معاملے میں خاصی سخت تھیں۔ اسی لیے مائدہ کا غیروں میں رشتہ کر کے انہوں نے تلخ تجربے کے باوجود فائزہ کے لیے بھی چچا کے بیٹے کا رشتہ منظور نہ کیا۔

دراصل بڑے چچا کی بیوی نے اپنے بھائی کے بیٹے کے لیے مائدہ کا رشتہ مانگا تھا۔ یوں تو وہ اچھے لوگ تھے۔ لیکن عمر کا خاصا فرق تھا۔ حشی صاحب شاید بھائی کی مروت میں راضی ہو بھی جاتے۔ مگر بیگم حشی نے صاف انکار کیا۔ عمر کا فرق تو تھا ہی۔ پھر جٹھانی نے ہمیشہ ان کو رعب میں رکھا۔ حشی صاحب نے بھائی کے الفاظ دہرائے۔

"دولت بہت ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ عیش کرے گی۔ کم عمر بیوی کی قدر بھی بہت ہوتی ہے۔"

"دولت کی خاطر میں اپنی بیٹی بڈھے کو نہیں دوں گی۔ دولت' عیش آرام اور خوشیوں کی ضامن نہیں ہوتی۔ ہمیں لڑکی کا جوڑ دیکھنا ہے۔"

صاف انکار سن کر جٹھانی تو آگ بگولہ ہو گئیں بلکہ بڑے بھائی نے بھی برا مانا۔ نہ صرف حشی صاحب سے قطع تعلق کر لیا بلکہ ہر جگہ ان کا مذاق اڑایا اور یہ کہ

"دیکھنا ہے انہیں کون سا شہزادہ ملتا ہے۔ اعلا وارفع داماد۔"

اسی دوران چھوٹے چچا نے اپنے ہونہار بیٹے کے لیے فائزہ کا ہاتھ مانگا۔ جو ان ہی واقعات کی روشنی میں مسترد کر دیا گیا۔ فائزہ نے ان دنوں میٹرک میں داخلہ لیا

تھا۔ چچا کا خیال تھا کہ لڑکا امریکہ جا رہا ہے تعلیم کے لیے۔ جب وہ واپس آئے گا فائزہ بھی بی اے کر چکی ہو گی۔ لیکن بڑے بھائی بھابھی کی باتوں نے حنیٰ صاحب کو بددل کر دیا اور مائدہ کا جو بھی رشتہ آیا۔ انہوں نے اس کی شادی کر دی۔

یہ اور بات کہ قسمت سے وہ بہت اچھے لوگ تھے۔ مائدہ شادی کے بعد دوبئی چلی گئی۔ اس کا شوہر نہ صرف خوبصورت بلکہ اچھے خاندان کا لڑکا تھا ڈاکٹر تھا اور مائدہ کی اس کے ساتھ بہت اچھی نبھ رہی تھی۔ مائدہ خود بھی حسین تھی اور قدرے لاپروا' خوش مزاج' خوش گفتار۔ وہ تقریباً" ہر ہفتے فون پر بات کرتی۔ اب وہ ایک بیٹے کی ماں بن چکی تھی۔ دوبئی میں مائدہ کے جیٹھ کا اسٹور تھا۔ دونوں بھائی ساتھ رہتے تھے۔ کبھی کبھی مائدہ کا میاں ساس سے باتیں کرتا اور مائدہ کی شکایتیں جی کھول کر کرتا۔

"خالہ جی۔ اپنی بیٹی کو سمجھائیں۔ یہ اس تک الز میاری ہی کرتی ہے۔ اس کے بیٹے کو بھی میں کلینک سے آکر سنبھالتا ہوں۔ رات کو اٹھ اٹھ کر میں ہی دیکھ بھال کرتا ہوں۔ دن بھر یہ بھابھی سے ناز اٹھواتی ہے پھر بھی کہتی ہے میں تھک گئی یہاں تو نیند ہی پوری نہیں ہوتی۔ دن بھر وی سی آر پر فلمیں' رات کو ڈرامے' گھر میں ایک پاکستانی ملازمہ بھی ہے جو کھانا پکانے سے لے کر ہر کام کی ہے پھر تھک جاتی ہے آپ کی بیٹی۔"

پیچھے سے مائدہ کی من من۔ "کیوں بتا رہے ہیں میری ہر بات۔"

امی مائدہ کو خوب ڈانٹتیں۔ نصیحت کرتیں۔ داماد سے بھی کہتیں۔

"بیٹا! تم اس کی کھنچائی کرو۔ نہیں تو یہ بالکل ہڈ حرام ہو جائے گی۔ اس سے اپنا ہر کام کرواؤ۔ ملازمہ کو روانہ کرو۔ مائدہ ہر کام کر سکتی ہے۔" اس پر داماد فوراً" مائدہ کی حمایت کرنے لگتے۔

امی کو نصیحتیں کرنے کا شوق تھا۔ وہ کوئی لمحہ بیٹیوں سے غافل نہ ہوتیں۔ صبح فائزہ کالج کے لیے تیار ہو رہی ہوتی امی اسے تیز نظروں سے دیکھا کرتیں۔ پھر ان کا لیکچر۔

"سر پر دوپٹہ صحیح طریقے سے لیا کرو۔ بال چھپاؤ۔ چہرہ پورا نہ کھلا ہونا چاہیے۔ سڑکوں پر چلنے والی لڑکیوں کے کھلے منہ پر پھٹکار برسنے لگتی ہے۔ کوئی عزت نہیں کرتا۔ لوگ سمجھتے ہیں۔ کسی ایسے ویسے خاندان کی ہے۔"

ایسے ویسے خاندان کی کبھی تشریح نہیں کی۔ انہیں اپنے اور حنیٰ صاحب کے خاندان کی عزت کی بہت زیادہ فکر تھی کہ کوئی ایسی ویسی بات نہ ہو جائے کہ خاندان کا نام بدنام ہو۔

فائزہ کے کالج میں بڑے چچا کی بڑی سالی کی بیٹی شیما بھی پڑھتی تھی۔ امی کی ہدایت کے مطابق وہ اس سے مخاطب نہیں ہوتی تھی۔ شیما بھی بڑی مغرور تھی۔ وہ خود فائزہ کو دیکھ کر ناک چڑھا کر سائیڈ سے نکل جاتی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس دن ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ پلاسٹک کور والی فائل سر پر رکھے وہ کسی بھی بس یا ویگن کا انتظار کر رہی تھی۔ کئی لوگ موجود تھے۔ وہ بڑے مطمئن انداز میں بارش کی بوندوں کا لطف لے رہی تھی۔ کرے [illegible] کی سڑک آتا" فاتا" سیاہ پڑ جاتی۔ تب ہی ایک گھبرایا ہوا لڑکا قمیص کی کف کے بٹن بند کرتا ہوا اس کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ڈیڑھ بجے والی بس نکل گئی؟" اس نے سادہ لہجے میں فائزہ سے پوچھا تھا۔

فائزہ کو ہنسی آگئی۔ دن کے ڈھائی بجے کوئی پوچھے کہ ڈیڑھ بج گیا؟ تو ہنسی تو آئے گی۔

"دراصل۔ ہر بس کا ٹائم ہوتا ہے لیکن ہمارے ہاں ٹائم کا خیال نہیں رکھا جاتا۔" وہ جھینپ کر صفائی دینے لگا۔ "میرا خیال ہے ڈیڑھ والی بس آرہی ہے۔"

وہ مسلسل جھکا ہوا سامنے آنے والی ٹریفک کو دیکھ رہا تھا۔ بچکانہ سا انداز تھا۔ پُرشوق نظریں آنے والی بس کو دیکھتی رہیں مگر۔ یہ اس کی "ڈیڑھ بجے" والی بس نہیں تھی۔

"آپ۔۔۔ کس نمبر والی بس کا انتظار کر رہی ہیں۔"

"چار نمبر۔۔۔" فائزہ کے منہ سے نکلا۔

"اوہ۔ مجھے بھی۔۔۔" پھر چار نمبر والی میں فائزہ بیٹھ گئی۔ وہ پائدان پر کھڑا ہو گیا۔ کوئی خاتون کسی اسٹاپ پر اترتیں۔ تو وہ بھی اتر جاتا۔ پھر بس پر چھلانگ دے کر پائیدان پر کھڑا ہو جاتا۔

فائزہ کو یونہی شک ہوا کہ وہ فائزہ کے اترنے کا انتظار کر رہا ہے۔ اماں کی نصیحتیں۔ خدشے۔ وہ بے چین ہو گئی اور اپنے اسٹاپ سے ایک اسٹاپ پہلے ہی اتر گئی۔ وہ نہیں اترا۔ اب اسے پیدل چلنا تھا۔ شکر ہے بارش تیز نہیں ہوئی۔ اس نے میلی چادر سے جسم لپیٹا ہوا تھا۔ امی کی ہدایت یاد آ رہی تھی۔ راستے میں کسی لڑکے سے بات نہ کرنا۔ اس کی کسی بات کا جواب نہ دینا۔ آنچل ادھر ادھر نہ لہکانا۔ مردوں کو ترغیب ہوتی ہے۔ مگر وہ انہیں کیسے بتاتی۔ راستہ چلتے ہوئے لوگ اس قدر عجلت میں ہوتے۔ کسی کو کسی سے مخاطب ہونے کی فرصت ہی نہ تھی۔ صبح آسمان پر بادل دیکھ کر امی نے پریشانی کا اظہار کیا تھا۔ فائزہ نے کہا تھا۔

"امی۔ میں کوئی اکیلی تو نہیں جاتی۔ موسم سب کے لیے ایک جیسا ہوتا ہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥

اس روز پھر وہ گھبرایا ہوا تھا۔ "مجھے آج پھر دیر ہو گئی۔ کیا چار نمبر کی ڈیڑھ بجے والی بس نکل گئی؟"

"پتا نہیں۔" فائزہ نے کہا۔

وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

"نہیں۔" فائزہ نے رخ موڑ لیا۔ امی کی نصیحتیں۔

"سوری۔" اس نے یہ انکار قبول کر لیا تھا اور پھر اسی ذوق و شوق سے بس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ کئی دن بلکہ کافی دن ان کا اسی طرح ساتھ ہوا۔

اب فائزہ بھی اس کی منتظر رہنے لگی تھی۔ نا جانے کہاں جاتا تھا' یا آتا تھا کہیں سے۔ ڈھائی بجے دوپہر کو ڈیڑھ بجے والی بس سے۔ اس دن بس کو آتے دیکھ کر وہ آگے بڑھی۔ ٹھوکر سے لڑکھڑائی تو ہاتھ سے کتابیں نیچے جا گریں۔ لڑکے نے جلدی سے اٹھا کر اسے دے دیں۔ وہ شکریہ کہہ کر بس کی طرف دوڑی۔ اس دن وہ سوار نہ ہو سکا۔ لیکن اگلا دن حیرت کا دن تھا۔ صبح کو اپنے محلے کے اسٹاپ پر اسے دیکھ کر فائزہ حواس باختہ ہو گئی۔

"یہ۔۔۔ یہاں اسے میرے محلے کا کس نے بتایا۔ یا یہ اتفاق۔" وہ اسے دیکھ کر لپکتا ہوا آیا۔

"شکر ہے۔ آپ مجھے یہیں مل گئیں۔ کل کتابوں کے ساتھ آپ کا کاپی بھی گر گئی تھی اور اچھل کر نیچے کے پیچھے جا پڑی۔ میں اسے اٹھانے ادھر گیا۔ آپ بس میں بیٹھ چکی تھیں۔ بس چلی گئی۔ میں بھی نہیں چڑھ سکا۔"

فائزہ اسے حیران نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ خجل سا ہو کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"وہ۔ میں نے ایک بار آپ کو یہاں اترتے دیکھا تھا۔" وہ صفائی پیش کرنے لگا۔

فائزہ کچھ نہ بولی۔ ممکن ہے۔ کبھی ایسا ہوا ہو بلکہ کئی بار ہوا ہی تھا کہ وہ اتر گئی وہ نہیں اترا۔ پہلی بار البتہ وہ ایک اسٹاپ پہلے اتر گئی تھی۔ وہ بس میں بیٹھ کر کاپی کا جائزہ لینے لگی۔ یونہی شک تھا مگر۔ کاپی کے اندر کوئی تحریر نہ تھی۔ شکر کا سانس لیا۔ لڑکا شریف ہے۔ اس نے سوچا۔ اس کے بعد بھی پھر دونوں میں کوئی گفتگو نہ ہوئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

ابا کو کسی کام سے گوجرانوالہ جانا پڑا۔ فون آیا کہ وہ رات نہیں آسکیں گے۔ رات کو دادی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ نوی گھبرا گیا۔ اس نے ہمایوں کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہمایوں آنکھیں ملتا باہر آیا۔ دادی کا سن کر وہ فوراً ٹیکسی لے آیا۔ دادی کو ایک دری پر لٹا کر اسٹریچر کی طرح چاروں کونے پکڑ کر وہ باہر لائے۔ فائزہ کو بھی مدد کرنی پڑی۔ دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر چلے گئے۔

ہاسپٹل سے نوی کا فون آیا۔ دادی کو سانس کی تکلیف تھی۔ ہاسپٹل میں آکسیجن لگا دی گئی تھی۔ نوی صبح کو گھر آیا۔ ہمایوں دادی کے پاس تھا۔ اس کے گھر جا کر بتاتا تھا کہ وہ اب دادی کو لے کر ہی آسکے گا۔ ہمایوں کی اماں نے سرہانے پر اکتفا کی۔ نوی ہمایوں کا ناشتہ لے کر پھر چلا گیا۔

ابا دوپہر کو آئے تو سنتے ہی ہاسپٹل گئے۔ شام تک دادی گھر آگئیں۔ پھر ابا نے ہمایوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے والد کا بھی شکریہ ادا کیا۔ وہ ہنس دیے۔ بولے۔

"شکریے کی کوئی بات نہیں۔ محلے میں ساتھ رہنا ہے اور پڑوسی رشتے داروں سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کے کام نہیں آئیں گے تو کیا فرشتے آسمان سے اتریں گے۔"

کہہ کر قہقہہ لگایا۔ ابا بھی مسکرائے۔ ان کی بات بھی درست تھی۔ دادی کے بیٹوں تک ان کی بیماری کی اطلاع پہنچی۔ کوئی دیکھنے نہیں آیا۔ بس فون پر خیریت معلوم کر لی۔

ادھر ہمایوں کے صبح شام دورے شروع ہو گئے۔ کبھی دودھ لا رہا ہے۔ کبھی ڈاکٹر کو لیے چلا آ رہا ہے۔ فائزہ پریوں چلا جانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس کی ذاتی ملازمہ ہو۔ فائزہ اس سے پردہ بھی نہیں کرتی تھی۔ گھر والوں کی دعائیں وہی سمیٹ رہا تھا۔ چھپوا کیں گا۔ خود وہ اور نوی جو دادی کا بہت لاڈلا تھا۔ اس کی کوئی تعریف نہ کرتا کہ بھی یہ ان کا فرض تھا۔ واہ۔

♥ ♡ ♡ ♥

مزنہ کو ساس کی جانب سے 'پھپھو' ہونے کا ابھی تک اشارہ نہیں ملا تھا۔ ان کی پیشانی پر بل ہی رہتے۔ بابر تو خاموش اور بے حد سنجیدہ رہتا۔ ہمایوں ہی اماں کو رشتہ یاد دلاتا۔ دراصل۔۔۔ نانی ابھی تک بالکل ٹھیک تھیں۔ پوتی کو بابر کے سر تھوپنے کے لیے ڈرامہ کر گئیں۔ مگر کیا کرتیں۔ گھر میں سارے بیٹے مزنہ کے قدردان اور حمایتی۔ بابر کے ابا کو تو بیٹی کی کمی پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ کبھی اس کے لیے پھولوں کے گجرے لا رہے ہیں' کبھی چاندی کی پازیب۔ کانچ کی رنگ برنگی چوڑیاں دیکھ کر اماں کا غصہ اور بڑھ جاتا۔

"لو۔ ان بڈھو کو دیکھو۔ سارے شوق پورے کرنے کے لیے یہ کلو بیٹھ رہ گئی تھیں۔ یہ سبز 'اودی' نیلی چوڑیاں گوری کلائیوں کے لیے ہوتی ہیں۔ نہ کہ۔۔۔"

ہمایوں کا بس چلتا تو بھابھی پر قربان ہو جاتا۔

"اماں! ہماری بہن بھی ہے بھابھی بھی۔ کبھی تو بھتیجی سمجھ کر گلے لگا لیں۔ بیٹی نہیں تو بہو ہی سمجھ لیں۔ پیار بھری ایک نظر ڈال لیا کریں۔"

"چل ہٹ۔ ماں سے زیادہ چاہے۔ پھپھا کٹنی کہلائے۔ تجھے کیا۔ بھتیجی میری ہے کہ تیری؟"

"میری بھتیجی بھی آ ہی جائے گی۔ کاش کہ۔۔۔"

"کیا۔ کاش کیا؟"

"کاش۔ میری ہونے والی بھی۔۔۔ آپ کی بھتیجی بھانجی ہوتی۔ تو۔۔۔"

"ہائیں۔ کیا بک رہا ہے۔" اماں بدحواس ہوئیں۔

"بکرا نہیں ہوں۔ میں تو۔"

"بیل ہوں۔" پیچھے سے جہانگیر نے لقمہ دیا۔ ہمایوں اس کو مارنے لپکا۔

اماں شدید بے زاری سے بولیں۔ "ایک تو میں تم لوگوں کی دھینگا مشتیوں سے نالاں ہوں۔ کبھی تو شرافت سے بھائیوں کی طرح بات کر لیا کرو کمبختو۔"

پھر انہیں ہمایوں کے الفاظ یاد آئے۔ "بھانجی۔ لو۔ خالہ نے دانہ ڈال دیا۔ ارے میں زندہ ہوں ابھی۔ مجال ہے نام تو لے کر دیکھے۔ محلے میں ہی ایک سے ایک پری موجود ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے اس گاؤں کی کلو کو لا کر ویسٹ انڈین ٹیم تیار کروں۔ ہونہہ۔ بھانجی۔ ایک بھتیجی کافی نہیں کیا۔ نسل خراب کرنے کو۔۔۔ اب میں کسی ڈرامے پر یقین نہ کروں۔ اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

رمضان شریف شروع ہو گئے۔ مزنہ نے آگے بڑھ کر سحری افطاری کا انتظام سنبھال لیا۔ اب وہ پھپھو

کی۔ "رہنے دو میں کرلوں گی۔ عادت ہے مجھے۔" کی پروانہ کرتی۔

بابر کے ابا سودا لاکر بہو کے حوالے کرتے۔ وہ افطاری میں مصروف ہو جاتی۔ اماں کو آرام ملا تو پچھلے رمضان کی تھکاوٹ یاد آئی۔ سحری' افطاری کی مصروفیت میں قرآن شریف پڑھنے کا وقت کم ملتا۔ اس بار جی جان سے عبادت کی۔

عید کی صبح وہ کچن میں جا پہنچیں۔ سوچا تھا کہ مرضی کا شیر خورمہ تیار کریں گی۔ نہ جانے مزنہ نے کیا دیسائی گھولا گھول دیا ہو گا۔ مگر کچن صاف ستھرا' جالی سے ڈھکے ہوئے لوازمات' شیر خورمہ' دہی بڑے' کبابوں کا قیمہ تیار' یا اللہ! کیا یہ لڑکی رات بھر جاگ کر تیاری کرتی رہی تھی۔ دوپہر کے لیے مرغی کا سالن۔ شام کے لیے پلاؤ کی یخنی۔ نوڈلز معہ تلی ہوئی سبزی کے۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی۔ تو اس کے کھلے کھلے چہرے پر نظر پڑتے ہی انہیں پیار آگیا۔ سلام کے جواب میں گلے لگا کر پیار کیا۔ بٹوے سے ہزار کا نوٹ نکال کر عیدی دی۔ مزنہ کا خوشی سے چہرہ گلنار ہو گیا۔ آج اس نے پھپھو کا دل جیت لیا تھا۔ آخر کار وہ دن عید کی خوشی دوبالا کرنے کا باعث بنا۔

عید کی نماز پڑھ کر سب واپس آئے۔ تو مزنہ کو دیکھ کر ہمایوں چونکا۔

"بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں۔ دل کی آبادی کے آثار نظر آتے ہیں۔ کیا بات ہے خوشی سے چہرہ چمک رہا ہے۔"

"جناب! آج عید کا دن ہے۔" مزنہ کھلکھلائی۔ "صبح بھی عید کا ہی دن تھا میرے خیال سے مگر یہ رونق نہ تھی۔"

"لگتا ہے زبردست قسم کی عیدی مل گئی ہے بھابھی کو۔" جہانگیر نے خیال ظاہر کیا۔

"یہی بات ہے۔" کہہ کر وہ زور سے ہنسی۔ گھنگھروؤں کی جھنکار سے پورا گھر کھلکھلانے لگا۔ پہلی بار خوشی سے کھنکتی یہ ہنسی در و بام کو سجا گئی۔ ابا نے شکر کا سانس لیا۔ چاروں بھائی صحن میں بھنگڑا ڈالنے لگے۔ عید صحیح معنوں میں عیدِ مسرت بن گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

فائزہ کی اس لڑکے احمر سے اب تھوڑی تھوڑی دوستی ہو گئی تھی۔ سادہ سا لڑکا تھا۔ باتیں بھی ایسی ہی ہوتیں۔ فائزہ کا خوف کم ہو گیا تھا۔ ایک دن نیما اپنی دوستوں کے ہمراہ فائزہ کے قریب سے گزری۔ ناک چڑھا کر بولی۔

"کیسے کیسے لوگ اس کالج میں آگئے ہیں۔ اب یہ کالج ہمارے پڑھنے کا نہیں رہا۔"

"ہاں۔ اب تو ہر کس و ناکس ویلیو بڑھانے کے چکر میں ادھر کا رخ کرتا ہے۔" دوسری لڑکی بولی۔

"مگر ہماری کی اینٹ چوبارے میں لگ بھی جائے اصلیت تو نہیں بدل سکتی ہے۔" نیما بولی۔

فائزہ کو غصہ بہت آیا' مگر اماں کی نصیحت تھی کہ کسی سے مخالف ہونے کی غلطی نہ کرنا' وہ آگے بڑھ گئی۔ ان لڑکیوں کے قہقہے پیچھا کرتے رہے۔ بگڑے موڈ کے ساتھ وہ کالج سے باہر آگئی' احمر موجود تھا۔ فائزہ اس سے بھی ناراض ہو گئی۔ نہ جانے کون ہے۔ کہاں جاتا ہے میرا کیا لگتا ہے جو میں اس سے بات کروں اس نے بھی محسوس کر لیا کچھ دیر کی ہچکچاہٹ کے بعد آخر آگے بڑھ آیا۔

"آپ ہمیشہ اکیلی ہوتی ہیں۔ کوئی دوست نہیں بناتی کالج میں۔"

"میں پڑھنے آتی ہوں۔ دوست بنانے نہیں۔" وہ روکھے لہجے میں کہہ کر مڑ گئی۔

"میں۔ کچھ عرصے کے بعد امریکہ جانے والا ہوں۔ آپ۔ مجھے یاد کریں گی؟"

"یاد کرنے والی کون سی بات ہے۔" وہ حیران ہو گئی۔

"جب دو لوگ آپس میں کچھ عرصہ گزارتے ہیں۔ تو دوستی تو ہو ہی جاتی ہے۔ آپ مجھے دوست سمجھیں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"میں کسی کو دوست نہیں سمجھتی۔ میں ذرا خشک مزاج ہوں۔ آپ بھی مجھے بھول جائیں گے' ہم میں رشتہ کیا ہے ایک بس کے مسافر۔ اور بس۔"

"اور بس۔" وہ ہنسا۔ "مسافر بھی ایک دوسرے کو یاد تو رکھ سکتے ہیں اور سفر کو بھی۔"

بس آگئی۔ وہ اس میں گھس گئی۔ اتنی جگہ نہ تھی کہ وہ پائیدان پر ہی لٹک سکتا۔

واہ بھئی۔ امریکہ جا رہے ہیں صاحب زادے۔ بسوں کے پائیدان پر سفر کرنے والے بھی امریکہ جانے لگے کیا زمانہ ہے۔

گلی میں ہمایوں بچوں کے ہمراہ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ فائزہ کو دیکھ کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"چلو بھئی بچو! اپنی چھٹی۔ کھیل ختم۔"

روزانہ گلی کے بچوں کو کرکٹ کے اسرار و رموز سکھانے کے بجائے کوئی کام ہی کرے۔ مگر نہیں بادشاہ سلامت ٹھہرے۔ کام کرے ان کی بلا۔ آوارگیوں سے فرصت ہو تو خیال آئے۔

دل ہی دل میں خار کھاتی وہ گھر میں گھسی۔ بڑی شرت ہے جناب کے اعلا کردار کی' ہمدردیوں کی۔ نہیں۔ وہ لوگوں سے کی ابا۔ بے کوئی کام ہیں ہمدردیاں کرلیتا ہے تعریفیں بٹورنے کے لیے۔ واہ وا ہمدردیاں کرلیتا ہے۔ یہ امریکہ ہی چلا جائے۔ معہ اپنی خوبیوں کے۔

امتحان بالکل سر پر آئے تھے۔ فائزہ کے اوسان خطا کو مگر اس تجویز سے اختلاف تھا۔ لیکن ابا امی نے بھی اگر فیل ہو گئی۔ ابا تو ہرگز آگے نہیں ہمایوں سے کہہ دیا۔ وہ آنے لگا۔ مجبوری تھی' ہمایوں ان کے خاندان میں لڑکیوں کی زیادہ میں سمجھانے کی صلاحیت زبردست تھی' اس کا انداز تعلیم کا رواج نہ تھا۔ مائدہ کی شادی تو ویسے بھی آنا" بہت اچھا تھا۔ نومی بھی اسی سے مدد لیتا تھا۔ فانا" ہو گئی تھی۔ اسے زیادہ شوق تھا بھی نہیں۔ ہاں فائزہ کا خیال تھا وہ نخرے کرے گا۔ احسان جتائے ناول پڑھنے۔ فلمیں دیکھنے کا بہت چسکہ تھا۔ اب گا۔ مگر وہ تو ہنستا مسکراتا آتا اور بڑی لاپروائی کے انداز بھی اس کا وہی حال تھا۔ دوبئی سے خبریں آتی رہتی میں اسے سمجھاتا۔ نومی کو پڑھانے کے وقت وہ چائے تھیں۔

"مائدہ کا نام گینز بک میں ورلڈ ریکارڈ کے طور پر کی فرمائش کرتا۔ وہ صاف انکاری ہو جاتی۔

عنقریب دیکھنا۔" اسلم بھائی کہتے۔

"کس سلسلے میں؟"

"فلموں کے سلسلے' ناولوں کے سلسلے' ڈائجسٹوں کے سلسلے۔" اسلم بھائی فائزہ کو بتاتے۔

"ابھی تک وہی حال ہے؟" وہ حیرت ظاہر کرتی۔

"پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ کبھی کبھار میری ملاقات ان سے ہوتی ہے تو وہ گردن اٹھا کر پوچھتی ہیں۔ "آپ میری خواب گاہ میں بغیر دستک دیے کیسے آگئے' آپ کو غیر عورت کے کمرے میں آنے سے پہلے اجازت لینی چاہیے تھی" اور جب میں شرما خضوری اپنے رشتے سے آگاہ کرتا ہوں تو فرمایا جاتا ہے۔" اوہ۔ ڈارلنگ ہم ہنی مون سوئٹزرلینڈ میں منائیں گے یا نیاگرا آبشار کی گنگناتی خنک فضا میں؟" میں نے ان ہی حالات کے تحت ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ پوچھو کیا؟"

"جی کیا؟"

"کہ میں ایک شادی اور کرلوں۔ میری دوسری بیوی مائدہ کو یاد دلاتی رہے گی کہ میرا کیا رشتہ ہے اور یہ کہ وہ ایک عدد بیٹے کی ماں بھی ہے' جس کا باپ میں ہوں۔"

پیچھے سے مائدہ کے احتجاجی جملے اور رسیور کو چھیننے جھپٹنے کی کارروائی نشر ہوتی رہتی۔ فائزہ ہنس کر فون بند کر دیتی۔

امتحانوں کی تیاری میں نومی نے مدد سے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ خود بھی پڑھائی میں جتا ہوا تھا۔ دادی کی سفارش پر ہمایوں اسے پڑھانے پر تیار ہو گیا۔ خود فائزہ

"مجھے چائے بنانی نہیں آتی۔"

"بنانے سے آجائے گی۔" وہ مجبور کرتا۔ "ٹیچر کی خاطر بہت کار آمد ہوتی ہے۔"

"کار آمد؟"

"ٹریننگ ـــــ آئندہ کے لیے۔ بنیاد مضبوط ہو تو مکان کی آن بان شان کے کیا کہنے اور آج کل کے دور میں تو لڑکیوں کو گھر گرہستی کے اصول جاننے لازمی ہیں۔ ایک زمانہ تھا لڑکوں کی مائیں خوبصورت اور تعلیم یافتہ لڑکی کو ترجیح دیتی تھیں اب مائیں لڑکیوں کو "گھریلو" دیکھنا چاہتی ہیں تاکہ خانساماں ڈھیلی بجٹ دار کا خرچ بچے۔"

فائزہ تلملا جاتی لیکن اب وہ ایک عارضی ٹیچر کو کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔ ہر کام جو شروع ہوتا ہے وہ وقت پر ختم بھی ہو جاتا ہے۔ شروع اور ختم کے درمیان کچھ واقعات بھی ہوتے ہیں۔ فائزہ کے امتحان شروع ہوئے اور وقت پر ختم بھی لیکن کوئی چونکانے والا واقعہ یا سسپنس سے بھرپور حادثہ نہ ہوا اور ہوا بھی اس وقت۔ جب وہ امتحان کی دہشت سے آزاد ہو گئی تھی۔ اور اس واقعے یا حادثے نے اس کی زندگی کو ایک خطرناک تجربے سے آگاہ ضرور کیا۔ گو کہ وہ خود حادثے کا شکار نہ ہوئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی۔ ماں باپ کی دعائیں تھیں ـــ یا اس کی محتاط طبیعت۔

صبح وہ سینٹر جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ امی آ گئیں۔ پُرتشویش لہجے میں بولیں۔

"فائزہ آج میرا دل گھبرا رہا ہے۔ خدانہ کرے جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ تمہارا آج امتحان نہ ہوتا۔ تو ہرگز گھر سے نکلنے نہ دیتی۔ آندھی کے آثار ہیں۔ بھلا یہ موسم آندھیوں کا ہے؟ بے موقع، بے وقت کوئی چیز اچھی نہیں ہوتی۔"

وہ ہنس دی۔ "امی! پریشان نہ ہوں۔ بس دو دن رہ گئے ہیں۔ آج کا دن اور کل کا۔ پھر تو میں گھر پر ہی رہوں گی۔"

"اچھا۔ دیکھنا سر پر چادر اچھی طرح جما کر اوڑھنا۔ سر نہ کھل جائے۔ شیطان کھلے سر پر چوٹ مارتا ہے۔" اسے ہنستا دیکھ کر خفا ہوئیں۔ "ہنسنے کی بات نہیں۔ عورت کو جسم چھپانے کا حکم ہے۔ جسم دکھانے والیوں کا کوئی وقار نہیں ہوتا۔ زیب زینت چھپانے میں عورت کی عزت ہے اور جو عورت اپنی عزت کا خیال نہیں کرتی۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔"

"امی! آپ کو تو خوامخواہ وہم رہتا ہے۔ بچی کچھی سب میری چادر اور پردے کا مذاق اڑاتے ہیں۔ بس میں تو بعض دفعہ اتنی دھکم پیل ہوتی ہے کہ چادر اتر جاتی ہے پھر بھی میں خیال رکھتی ہوں۔ اسی لیے اسکارف بھی لینے لگی ہوں۔"

"میں تو سوچ رہی ہوں برقعہ ہی سلوا دوں۔" امی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔ "چادر اتر جاتی ہے برقعہ کم از کم پردہ تو رکھ لیتا ہے۔"

وہ سر پر ہاتھ مار کر باہر آ گئی۔ پیچھے سے ہدایتیں دیتی رہیں۔ گھر آنا۔ سائے آنے کی خبر ہے۔ مامدے آنے کی آج دن سے خبر اڑ رہی ہے مگر پتا نہیں اب پھر اس کا پروگرام کینسل نہ ہو۔ سینٹر جانے کے لیے اپنے اسٹاپ سے بس لیتی ملتی تھی۔ اس لیے پھپھو کے گھر کی طرف جانا پڑتا واپسی میں وہ بھی کبھار ان کے گھر رک جاتی اسٹاپ پر آئی تو احساس ہوا کہ اسے چھ بجے میں دیر ہو ہے۔ وہ گھڑی پر نظر ڈالے کھڑی تھی کہ اچانک ایک کار اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے گئی۔ اندر سے ایک شخص باہر آیا۔ شاید وہ تھا۔ بس کے پائیدان پر سفر کرنے والے کو دیکھ کر اسے دعوت دے رہا تھا۔

"آؤ۔ میں تمہیں تمہارے سینٹر پر چھوڑ دوں۔"

"شکریہ۔ میں چلی جاؤں گی۔" وہ قدرے خشک لہجے میں بولی۔ اسے یہاں کا پتا کیسے چلا؟

"میں ادھر ہی جا رہا تھا اس لیے تمہیں دیکھ کر رک گیا۔" اس کے چہرے اور لہجے میں دل گرفتی اور مایوسی تھی۔ فائزہ کو ترس آ گیا۔

"یہ ـــ کار کس کی ہے؟" مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"میری اپنی۔ میرا مطلب ابا کی ہے۔ ہزار خوشامد کے بعد دیتے ہیں مجھے۔ وہ بھی کبھار۔ کام بہت ضروری تھا اس لیے ـــ ادھر سے گزر رہا تھا تو تمہیں دیکھ لیا۔"

فائزہ نے سنگ دلی کو گولی ماری اور بڑے اعتماد سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"آگے کیوں نہیں؟" بچوں کی طرح بسورا۔

"بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔ چلو دیر ہو رہی ہے۔"

"تمہاری مرضی۔ میں تمہیں لینے بھی آؤں گا انتظار کر لینا۔" وہ راضی بہ رضا تھا۔

"نہیں۔ میں اپنی بس سے آؤں گی۔"

"چار نمبر کی ـــ ڈیڑھ والی؟"

"نہیں ـــ دو بھی مل گئی۔"

"تم نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔" اللہ رے بے تکلفی

"ضرورت نہیں سمجھی۔"

"ہم اتنے دن سے مل رہے ہیں۔ دوستی تو ہو جاتی ہے"

"میں کسی سے دوستی نہیں کرتی۔"

"میں کسی ـــ لینے ضرور آؤں گا۔ پیپر کب ختم ہو گا؟"

"پتا نہیں۔ چلو میرا انتظار نہ کرنا دل چاہا تو آؤں گی ورنہ نہیں۔"

"اچھا کبھی ـــ مجھے واپسی میں یہیں اتار دینا۔"

"گھر پر کیوں نہیں؟"

"سوال مت کرو۔" وہ ڈپٹ کر بولی۔ ابھی تک تو کوئی غیر شریفانہ حرکت یا بات نہیں کی تھی۔ غنڈا معاش بہرحال نہیں۔ کچھ کچھ احمق لگتا ہے۔ ایسے لوگ سازشی نہیں ہوتے۔

"میری امی بہت نائس لیڈی ہیں۔" وہ اب اپنے گھر والوں کی باتیں کر رہا تھا۔ میری بہن ایسی۔ بھابھی ویسی۔ بھائی یوں۔ ابا دوں۔ "تمہاری امی اور بہن بھائی کیسے ہیں؟"

"میری امی کو معلوم ہو گیا کہ میں تمہاری گاڑی میں بیٹھی ہوں تو وہ مجھے قتل کرتے ہوئے لمحہ بھر نہیں ہچکچائیں گی اور ابا ـــ امی کو مار دیں گے۔"

"اتنی سنگ دلی ـــ اف ـــ مگر قصور؟"

"یہ کہ نافرمانی کی سزا تو ملنی چاہیے اور امی کو ان کی بے خبری کی۔"

"ہم ـــ مبالغے سے کام لے رہی ہو۔ یہ سزا تو ـــ بہت زیادہ ہے۔" وہ سر ہلا رہا تھا۔

"تمہیں میرے بارے میں کیسے علم ہوا۔ اس جگہ کا۔"

"ڈھونڈھنے والے تو غاروں کھائیوں کا بھی پتا لگا لیتے ہیں۔ دراصل میں تمہارا پیچھا کیا کرتا تھا۔ مجھے شوق ہے۔"

"برا شوق ہے۔ بس اب روک دو۔" سینٹر آ گیا تھا۔ وہ اترتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارا اعتبار نہیں کر سکتی۔ انتظار نہ کرنا۔"

"میں یہیں موجود رہوں گا۔ اس دیوار کے ساتھ اور تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا۔" وہ پُراعتماد تھا۔

واہ۔ کیا انداز ہے۔ زبردستی کی دھونس۔ وہ آ گئی تھی مگر دل دھک دھک کر رہا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا ہو گا۔ کوئی پوچھے گا تو ـــ میں جلدی کی وجہ سے ـــ وہ اب دل کو تسلی دے رہی تھی۔ کیا ہو گیا۔ میں اتنی بزدل تو نہیں۔ پھر وہ امریکہ چلا جائے گا۔ شاید زندگی میں کبھی ملنا ہی نہ ہو۔ ڈرنے کی کیا بات ہے۔

پیپر آسان تھا۔ کمرے سے نکلنے والی وہ پہلی لڑکی تھی۔ کیا وہ انتظار کر رہا ہو گا؟ اگر میں نہ گئی کہیں کوئی غلط حرکت نہ کر بیٹھے۔ اس پر اپنے خوف کا اظہار کرنا غلطی ہو گی۔ میرے بیٹھنے سے کتنا خوش ہو گیا تھا۔ گھر والوں کا تعارف شروع کر دیا۔ جیسے مجھے تو بڑی خواہش تھی ان سے ملنے کی۔ ممکن ہے اس وقت مجھے گھر لے جانا چاہے۔ صاف انکار یا پھر ـــ دیکھوں کہتا کیا ہے۔ مین گیٹ کے بجائے پچھلے چھوٹے گیٹ کی طرف چل دی۔ گیٹ پر تو بے شمار لوگ ان گنت گاڑیاں لڑکیوں کے انتظار میں موجود پیچھے سے جانا بہتر۔

تلی گلی سے گزرتے ہوئے اس نے دیوار کے پار جھانکنے کی کوشش کی۔ ارے۔ سامنے ہی دیوار کے ساتھ اس کی گاڑی کھڑی تھی اور حیرت و خوف کا جھٹکا۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ جیسے زوردار زلزلے نے اسے زمین سے اچھال دیا ہو۔ گاڑی میں اگلی سیٹ پر شیما موجود تھی۔

شیما۔ دونوں کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اتنے مطمئن تھے کہ انہیں کوئی ڈر تھا نہ خدشہ۔ ان کی باتیں وہ صاف طور پر سن سکتی تھی۔ سر نیچے کیے کیے وہ کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ تاکہ صحیح طور پر ان کے مکالمے سن سکے اور معاملات جان سکے۔ دل زور زور سے دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

"سمجھ گئے ہو نا تم نے معرکہ سر کرلیا ہے۔ اب میری خواہش کا دارومدار تم پر ہے۔ کیمرہ ہے نا؟ تیار۔" شیما کہہ رہی تھی۔

"ہار اسٹ ہی ریں دیوالی ہے۔ اب تم جاؤ۔ میں وہ آنہ جائے۔" احمر کہہ رہا تھا۔

"نہیں آتی۔ بلکہ جب تک ہر لڑکی پیپر ختم نہ کرلے وہ نہیں آئے گی۔ آئی بھی تو سامنے سے ہی میں دیکھتے ہی بھاگ جاؤں گی۔ ایسے زاویے سے تصویریں لینا کہ ماں باپ تڑپ اٹھیں۔ انہیں کہیں سر اٹھانے کی جگہ نہ ملے۔" شیما کے لہجے میں زہر تھا۔

"اچھا۔ سن لیا۔ تمہیں آخر کیا دشمنی ہے؟"

"ہے۔ میرے ماموں اس کی بڑی بہن پر عاشق تھے۔ امی نے رشتہ دیا۔ تو جواب ملا۔ لڑکے کا کردار درست نہیں۔"

"تو یہ بات غلط تو نہیں ہے۔ وہ ہیں تو بگڑے ہوئے۔"

"لڑکوں کا کیا بگڑتا ہے۔ دولت، پوزیشن کیا نہ تھا۔ مگر نخرے۔ اور مائدہ میں کیا خوبی تھی؟ بس خوش مزاج اور چنچل سی تھی۔ ماموں کو اس کی ہنسی نے لوٹ لیا۔ جب سے اب تک بھولے نہیں اپنی شکست۔ اب ان لوگوں کو پتا چلے گا کہ کردار کس کا درست نہیں۔ بیٹی کی تصویریں دیکھ کر۔۔۔ دفن کے لیے زمین تلاش کریں گے۔"

"مگر تمہارا اس میں کیا فائدہ ہے؟"

"بس مجھے ان سب سے نفرت ہے۔ ضد ہو گئی ہے مجھے۔ ماموں ہر وقت شراب میں مدہوش۔ امی کے آنسو۔ ان کی تسکین کے لیے میں نے یہ منصوبہ بنایا۔ تمہارا وہ دوست کہاں ہے، جو تصویریں اتارے گا؟" نیچے اترتے اترتے اس نے بات پلٹ دی تھی۔

"وہیں گھر پر۔" احمر کی آواز ست تھی۔

"تم کو بڑی ہمدردی ہے۔ اسی لیے مجھے ڈر ہے کہ تم اس طرح پرفارم نہیں کر سکو گے، جیسا میں چاہتی ہوں۔ اچھا یہ ہو سکتا ہے کہ تم اس ڈرامے کے بعد اس سے شادی کرلینا۔ یہی تمہارا انعام ہو گا۔ اب خوش۔" وہ شوخ ہوئی۔

"وہ لوگ شادی کرنے کے بجائے مجھے گولی مار دیں گے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"اوہو۔ ڈر رہے ہو؟ کچھ نہیں ہوتا۔ تم دیکھنا۔"

"یہ جرم ہے شیما! میں اس کے انجام سے ڈر رہا ہوں۔ ایک معصوم، باکردار لڑکی پر بہتان اللہ کو پسند نہیں۔"

"سب جانتی ہوں۔ بس تم وہی کرو۔ جو میں کہتی ہوں۔ دنیا میں اس سے بھی زیادہ برا کام ہو رہے ہیں۔ کون پوچھتا ہے۔ تم اس کے بعد توبہ کرلینا۔"

"اچھا بابا! اب تم جاؤ۔ میں سب کچھ اسی طرح کروں گا جو تم چاہتی ہو۔ اپنے ساتھ کچھ قابل اعتراض تصویریں بنوا کر نگیٹو تمہارے حوالے۔ خوش؟"

فائزہ کی آنکھوں میں ترمرے سے ناچ رہے تھے۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر آنکھیں یکدم خشک تھیں۔ اعصاب جواب دے چکے تھے۔ جنبش بھی مشکل تھی۔ لیکن ذہن حرکت میں تھا۔ وقت کم ہے۔ وہ اسے شعور کی طرف کھینچ رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنی جگہ سے ہٹی تھی۔ پھر جیسے اس کے قدموں میں بجلی بھر گئی۔

پیپر کے اختتام پر لڑکیاں ہجوم کی صورت گیٹ سے

باہر نکلی تھیں۔ اس گلی کے اختتام پر دوسری گلی۔ جو آخر کار اسے مین روڈ پر لے آئی۔ اتفاق سے چار نمبر والی بس آ ہی رہی تھی۔ جسم بے قابو۔ دل باہر نکلنے کو بے تاب۔ ایک ذہن درست فیصلے کر رہا تھا۔ کس بے اختیاری نے اسے اس انجان راستے پر لا ڈالا تھا۔ بس میں بیٹھ کر اس نے کھل کر سانس لیا۔ کچھ اوسان بھی بحال ہوئے مگر پیروں میں تھرتھراہٹ تھی۔ اپنے اسٹاپ پر اتر کر چند لمحے وہ یونہی کھڑی رہی۔ گلی میں ہمایوں کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ باتیں ختم کر کے لپکتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔

"اتنی دیر؟ پیپر تو جلدی ختم ہو گیا تھا۔ تم کہاں رہ گئی تھیں۔" "خدائی فوجدار نہ ہو تو۔"

"تم سے مطلب؟" وہ چیخی۔

"مطلب ہے نا۔ خالہ نے کہا تھا کہ ان کا دل گھبرا رہا ہے۔ تم جا کر لے آؤ فائزہ کو۔ میں گیٹ پر کھڑا رہا۔ تم ملیں نہیں۔"

"وہ۔ میں پچھلی گلی سے آ گئی۔ ہماری والی بس ادھر سے گزرتی ہے۔ اس لیے۔"

وہ نرم پڑی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ۔ مگر آج وہ کس کس بات کا شکر ادا کرے۔ ماں کی دعاؤں کا حصار۔ باپ کے اعتماد کا سائبان۔ خوش قسمتی۔ قدرت کہاں کہاں کیسے کیسے مددگار ہوتی ہے۔ نہ وہ نرمہ امتحان سے جلدی نکلتی نہ شیما کو دیکھتی اور باتیں وہ سازش۔ وہ خطرناک منصوبہ۔ میرے اللہ تیرا شکریہ۔ آج ماں باپ کے اعتماد کو دھچکا پہنچا کر من مانی کرتی تو کل کیا ہوتا۔ بدنامی، رسوائی، بے عزتی کے چرچے اور بے قصور ماں باپ پر۔۔۔ موت کے سائے۔ کیسا قہر ٹوٹتا گھر پر اور اگر وہ کار میں بیٹھ جاتی۔ ہمایوں اسے دیکھ لیتا۔ کیسے کیسے نگہبان ہیں۔

گھر میں امی کے نرم گرم وجود سے لپٹ کر کیسا سکون ملا تھا۔ ہاں۔ میں اس ماں کو دھوکا دینے کا سوچ رہی تھی۔ نا جانے وہ کیسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جو والدین کی شرمندگی کا باعث ہوتی ہیں۔ وہ تو محض ایک بار سوچ کر ہی مجرم بن گئی تھی کیا ان لڑکیوں کو اپنے والدین کی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ میری ماں کو تو میرے سر سے چادر سرکنے کی اتنی فکر ہوتی ہے۔ تو کیا باقی مائیں اپنی بیٹیوں سے اتنی بے خبر ہوتی ہیں یا ان کو دعاؤں کے سائے میں نہیں بھیجتیں۔

پوری شام وہ اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو تھپکتی رہی۔ ابھی کل کا دن باقی ہے۔ مگر وہ اپنے خدشے فکریں کے بتائے۔ آخری پیپر۔ آخری دن یہ ماما ہی پر جھلا رہی ہو گی۔ صبح وہ اوسان بحال رکھنے کی کوشش میں ہلکان تھی۔

"فائزہ!" امی نے آ کر اس کا تنقیدی جائزہ لیا۔ "سنو۔ ہمایوں کو کہیں جانا ہے میں نے اسے کہہ دیا ہے۔ وہ تمہیں لے جائے گا۔" فائزہ کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا۔ وہ ماں سے لپٹ گئی۔

"امی۔ آپ کتنی اچھی ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا؟" امی مشکوک نظر ڈال کر بولیں۔

"امی میں ادھر پھپھو والے اسٹاپ سے جاتی ہوں نا۔ بچ بچ چل چل کر پیر سن ہو جاتے ہیں۔ تھکن ہو جاتی ہے۔ اس لیے میرے لیے تو آج کا دن بڑا مبارک ہے۔"

امی کو ہنسی آ گئی۔ ہمایوں کے ساتھ رکشے پر جانا۔ امی کو اس پر کس قدر بھروسا ہے۔ کیا کمال ہے ہمایوں کا۔ باہر کی ہواؤں سے برگشتہ۔ ہر نظر پر شک کرنے والی امی ہمایوں کے لیے مال فراخ رکھتی ہیں۔ یہ ہمایوں کا ہی کمال تھا اس نے اس کے اندر کی خاص خوبی کا ادراک کر لیا تھا۔ بہرحال وہ بے خوفی سے رکشے میں ہمایوں کے پاس بیٹھی تھی۔

"کل کیا بہت خراب پیپر ہوا تھا؟ تمہاری شکل پر بارہ بج رہے تھے اصلی والے بارہ۔"

وہ چونک گئی۔ کیا اس نے محسوس کر لیا تھا۔

"میرا کوئی پیپر ابھی تک خراب نہیں ہوا۔" وہ قدرے بدمزاجی سے بولی۔

"کیوں؟ ہماری وجہ سے۔ بھئی ٹیچر ہو تو ایسا۔۔۔" (اپنے منہ میاں مٹھو)

سیٹ پر اتارتے ہوئے اس نے کہا "واپسی میں ختم ہونے کا انتظار کرنا۔"

"شکر ادا کرتی وہ گیٹ میں داخل ہو گئی۔ پیپر دے کر باہر نکلی تو۔ احمر اسے دور نظر آ گیا۔ وہ اپنی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ وہ لاپروائی ظاہر کرتی آگے آئی اس سے پہلے کہ وہ کار میں بیٹھ کر اس کی طرف آتا۔ راستہ بلاک ہو گیا۔ وہ رک گیا اور ہمایوں رکشہ لے کر آ گیا۔ وہ اس میں بیٹھی تو امی کو دیکھ کر حیران ہو گئی تھی۔

"میں مائدہ کا پتا کرنے اس کی سسرال گئی تھی۔ مائدہ آئی نہیں۔ شاید اگلے مہینے آئے۔ پھر میں نے ہمایوں کو وہیں بلا لیا۔"

امی کی موجودگی کس قدر اطمینان بخش تھی۔ عجیب سی طاقت کا احساس ہوا اور دل ہی دل میں وہ دعا کرنے لگی کہ کہیں اگر اس کے رکشہ کا پیچھا نہ کر رہا ہو اور یہ شک درست نکلا۔ رکشہ سے اتری تو گلی کے سرے پر کار موجود تھی۔ گھبراہٹ کے مارے وہ لڑکھڑا گئی۔ امی نے پکڑ لیا۔ نہیں تو گر جاتی گھر آتے ہی وہ پلنگ پر گر گئی۔ آج تو گھر بھی دیکھ لیا۔ اف میرے خدا۔

امی کی گاؤں والی چاچی آئی ہوئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی بولنے لگیں۔

"ارے اس لڑکی کا تو رنگ پیلا پٹک ہو رہا ہے۔ دودھ دہی کھلایا کرا سے صفیہ۔"

وہ اٹھ بیٹھی سلام کر کے جواب دیا۔ "پیپر مشکل تھا چاچی پیپر کے مارے یہ حال ہو گیا ہے۔"

"خدا غارت کرے پیپروں کو۔ اری کیا عذاب ہیں یہ پیپر۔ خون ہی چوس لیتے ہیں بندے کا۔ شکر ہے ادھر گاؤں میں اے پڑ، پے پر نہیں ہوتے نہیں تو لوگ زمین پر ہل چلانا بھول جائیں کہ بھئی آج کیا ہل چلائیں کیسے بیج بوئیں۔ پیپر دے کر آئے ہیں۔ خدا غارت کرے شہر کے رواجوں کو۔"

خدا غارت کرے چاچی کا تکیہ کلام تھا۔ جو اکثر غلط جگہ پر استعمال ہوتا اور امی بھی ان کے تکیہ کلام سے شرمندہ ہوتیں۔

شام کو صائمہ اور راحمہ آ گئیں، وہ اس کے امتحان ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"فائزہ!" صائمہ نے اس کے کان میں منہ گھسا کر کہا۔ "ابھی دیکھا میں نے وہ تیری چاچی خدا غارت کرے آئی ہوئی ہیں۔ مجھے پہلے بتا دیتیں تو میں نہ آتی۔"

چاچی کے آتے ہی امی اور دادی کی عبادت بڑھ جاتی۔ کیونکہ چاچی کو کہیں پر بھی تعریف نظر نہ آتی۔ ہر جگہ برائی تھی وہ کسی کی تعریف کرنا جانتی نہ تھیں۔ دادی ان کے آتے ہی بہری ہو جاتیں۔ کسی بات پر چاچی ان سے گواہی دلوانا جانتیں۔

"بھابھی جی! آپ ہی بتائیں۔ میں نے بھلا کیا کہا تھا خدا غارت کرے۔"

دادی کانوں کو ہاتھ لگاتیں۔ "خدا جانتا ہے مجھے تو سنائی نہیں دیتا۔"

وہ بری الذمہ ہو جاتیں تو چاچی کو غصہ آ جاتا۔ امی کے پاس آ کر کہتیں۔

"صفیہ۔ تمہاری ساس بڑی میسنی ہے۔ خدا غارت کرے، سب سن کر انکاری ہو جاتی ہے۔ لو بھلا۔"

امی بھی انہیں سمجھاتیں کہ وہ کم سنتی ہیں مگر چاچی کو یقین نہ آتا۔ امی اور دادی ان کی موجودگی میں سیر و شکر رہتیں اور ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتی رہتیں خدا جانے کب وہ اسے بھی غارت کرنے پر تل جائیں۔ فائزہ ان کا سامنا کرتے ہوئے گھبراتی تھی کہ اس کو الگ تھلگ دیکھ کر پیار سے بلاتیں۔

"بیٹا! آؤ کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھا کرو۔ لڑکیاں بڑوں کی محفل سے تمیز تہذیب سیکھتی ہیں۔ بزرگوں کی صحبت کے بڑے فائدے ہیں۔ خدا غارت کرے ہمارے پڑوس کی لڑکیوں کو۔ مجال ہے بیٹھ کر کچھ سیکھ لیں۔"

اب ان لڑکیوں کے بخیے ادھڑتے۔ جن کو فائزہ کیا امی نے بھی کبھی دیکھا نہیں۔

"اری فائزہ!" راحمہ قریب آ کر منمنائی۔ "کچھ پتا ہے جتنے دن تو نے پیپر دیے۔ ہمایوں نے بس اسٹاپ

کے پیسے لگائے جب تو تباہی تب گھر جاتے
ہیں (وہ کہیں؟) کاروبار ان ہو گئی۔
"اور کچھ ہی دیر میں وہ آنے میں۔ تو کئی لڑکوں کی
نشاندہی کر دی گئی۔ سارے لڑکے گھروں میں گھس
گئے۔ فائزہ کے ہونق چہرے کو دیکھ کر دونوں کھل
کھل ہنسیں۔ "بڑی خوش نصیب ہے فائزہ! ہمایوں اور
اس کا انتظار۔ ایک بم ہیں۔ شکل کے اتنے برے بھی
نہیں۔ پر مجال ہے نظر ڈال لے۔ یوں پاس سے گزر
جائے گا جیسے صائمہ نہیں بھینس ہو۔"
"اور میں تو جب بھی ان کے گھر کسی کام سے جاتی
ہوں۔ اپنے گھر سے چلانا شروع کر دیتا ہے کہ
"اماں! چینی آج ختم ہے اور ہلدی لانا میں بھول گیا۔
چاول لمسن شام کو لے آؤں گا۔ لو بھلا۔ جیسے ہم مفلس
ہیں۔ اس کے گھر ہمیشہ ہلدی لمسن مانگنے جاتے ہیں۔"
"اور ان کی اماں جان کو بیٹوں پر کس قدر فخر ہے۔
شہزادے کہتی ہیں تعریفوں کے پل بناتی جاتی ہیں۔ پے
پل کہ آتے جاؤ۔ دریا میں گرتے جاؤ۔"
"ساری تعریفیں لوگوں کے سامنے کی ہیں۔ بغیر
بتائے ان کے گھر جاؤ تو تعریفیں سنو۔ نتاؤتی ٹیس کی
گنجوس اور منحوسوں کے سوا کوئی اور لفظ نہیں ہوتا۔"
"ماں پر سب کچھ سوٹ کرتا ہے۔" فائزہ نے کہا۔
"میری امی کا بھی یہی حال ہے۔ صبح ذرا میں نے تھکن
کا کہہ دیا۔ تو خود کشے پر جا کر لائیں۔"
"کرتی تو سب کی مائیں یہی سب ہیں۔" صائمہ خود
ترسی کے انداز میں بولی۔ "مگر میری امی کی تو بات ہی
جدا ہے۔ ان کا بس چلے تو سڑک پر چلتے لوگوں کا بلا
کر میری ناقص کارکردگی کے بارے میں بتائیں۔
رونے رو لیں۔ مگر۔"
"اور پتا ہے ایک دفعہ کیا ہوا؟" راحمہ نے صائمہ
کی ہمدردی میں روتی توانائی۔ "اس کے لیے ایک
اچھا بھلا رشتہ آیا۔ اس کی امی ان کے سامنے ہی
شروع ہو گئیں کہ یہ اول درجے کی نکمی ہے۔ کرتی
دھرتی کچھ نہیں۔ البتہ گلی کے تمام گھروں کی خبریں
اسے غیب سے معلوم ہوتی رہتی ہیں اور یہ ادھر کی
ادھر لگانے میں استاد ہے۔ میری کئی دفعہ ایسی
ایسی کی لگائی بجھائی کی وجہ سے جھڑپ ہو گئی۔ بس کر
وہ لوگ ایسا بھاگے کہ آج تک نہیں آئے۔"
"اور بعد میں امی نے الٹا مجھے مارا کہ تو نالائق ہو
نا میں ہر کسی سے شکایتیں کرتی۔"
"افسوس ہوا۔ میں آنٹی کو سمجھاؤں گی۔ اپنی اولاد
کی ہر کسی سے برائی نہیں کرنی چاہیے۔ اچھے رشتے
اڑ چھو ہو جاتے ہیں۔ ویسے صائمہ! ہمایوں کا رشتہ
تیرے لیے بھجوا دوں۔ کیسا؟" فائزہ شرارت سے
بولی۔
صائمہ بدک کر دور ہوئی۔ "بس [illegible] اللہ نہ
کرے۔ میں کہاں وہ کہاں۔ وہ تو [illegible] لیے
ہے تجھے مبارک ہو۔"
چاچی۔ اندر آتے ہو۔ بم داغا۔ "خدا غارت
کرے کس بات کی مبارک دے رہی ہو سہیلی کو۔"
دونوں بوکھلا گئیں۔ راحمہ ذرا سمجھ دار تھی۔ بولی۔
"چاچی اس کے پیپر اچھے ہوئے ہیں۔ پاس ہو
جائے گی۔ اسی کی مبارک دے رہے ہیں۔"
"تو۔ خدا غارت کرے۔ یہ تو پریشان [illegible]
مشکل تھا۔ ریحو بچو! لڑکوں کو آپس [illegible]
نہیں کرنی چاہیے۔ خدا غارت کرے لوگ اچھا
سمجھتے۔ تمیز تو یہ ہے کہ بلند آواز میں باتیں کرو۔ ایسی
باتیں جو [illegible] کانوں کو بھلی لگے۔"
"چاچی [illegible] باتیں ہیں۔" [illegible]
راحمہ نے شدید اشتیاق ظاہر کیا۔
چاچی نے گول شیشوں والی عینک سے انہیں
گھورا۔ "تمہاری ماؤں نے تمہیں نہیں سکھایا۔ خدا
غارت کرے۔"
"نہیں سکھایا۔ بس ڈانٹ ڈپٹ اور نکتہ چینی کرتی
ہیں۔ بتاتی سکھاتی کچھ نہیں۔" راحمہ مایوسی سے
بولی۔
"اپنی ماؤں کو تو۔۔۔"
"خدا سلامت رکھے۔" راحمہ نے جلدی اور
سانتگی سے کہا۔

چاچی کچھ چپ سی ہو گئیں۔ مگر بولا تو جاتی نہ
تھیں۔ "میں کہہ رہی تھی کہ خدا غارت کرے بری
باتوں کو پر اور اچھی باتوں کو اچھا کر کے سکھائیں۔"

♥ ♡ ♥

ہمایوں کو جاب کیا ملی۔ گھر میں مبارک باد دینے
والیوں کی قطار لگ گئی۔ اماں کو ان کے جوش و خروش
پر بڑا غصہ آتا کہ بھلا یہ ایرے غیرے نتھو خیروں کو
خوش ہونے کی کیا ضرورت۔ انہیں کانوں کان خبر نہ
ہوئی اور ہمایوں ہر گھر میں چار چار لڈو بانٹ آیا تھا۔
اب لڈو کھانے والیوں کا فرض بنتا تھا کہ وہ گھر آ کر
حاضری لگوا جائیں کہ یہی دنیا کا دستور ہے۔ خوشی میں
شرکت [illegible] اماں کو ہر کس و ناکس کی خوشی سے کیا
غرض۔ [illegible] اس پر طرہ یہ کہ فائزہ کی امی کے ساتھ چاچی
[illegible] فائزہ کی امی کو ٹال دینا چاہتی تھیں مگر
[illegible] ہمایوں چاچی کو بھی لڈو کھلا کر آیا تھا۔ وہ ان کی باتوں
میں دلچسپی لیتا تھا ہنستا تھا۔ جب وہ کہتیں۔
"اے بیٹا ہمایوں! لوگوں کی نہ کہو۔ خدا غارت
کرے کسی کی [illegible] میں خوش نہیں ہوتے۔ حسد
اللہ مار [illegible] نہیں خوش ہوتے [illegible] تا ہے۔ ائے اس
حسد کو بھی [illegible] غارت کرے۔ اب ہم تمہاری خوشی
میں خوش ہیں۔ [illegible] غارت کرے [illegible] نیک
سعادت مند ہو۔ بس خدا غارت کرے پڑوسیوں کو
[illegible]"
ہمایوں فائزہ کو کن انکھیوں سے دیکھ کر گلا صاف
کر کے بولا۔
"اچھا چاچی! کیا آپ پڑوسیوں سے کہہ نہیں
سکتیں کہ وہ حسد نہ کریں۔ جل کر کوئلہ ہوتے جا رہے
ہیں۔ خوامخواہ اچھے رشتے بھی۔۔۔ رنگ دیکھ کر آتے
ہیں۔ (آہستہ سے) کون آئے گا یہاں۔ مجھ غریب پر
پتھری گرے گی۔"
فائزہ جل کر بھسم ہو گئی۔ تیر سا لگا سینے پر۔ "ہونہہ
میں کیوں جلوں گی بھلا۔ ارے ہے کیا جس سے کوئی
جلے۔ ایک ذرا سا رنگ گورا ہے۔ شکل اچھی ہے۔ قد
لمبا ہے۔ لوگوں میں مقبول بھی ہے۔ اسے پتا چلے کہ
بہت لوگ اس سے خار کھاتے ہیں تو حقیقت معلوم ہو
جائے۔ اترائی شکل۔ چھچھورا۔" اس نے صائمہ کے
سامنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔
"وہی ہوا نا۔ جو وہ کہتا ہے تم خار کھاتی ہو۔ یعنی
جلتی ہو۔ اس کی مقبولیت سے۔ سب اس کی تعریف
کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں کر موچو کیدار کے کوارٹر میں
آگ لگی۔ سب تماشا دیکھتے رہے بے چارہ کر موجو
ہمارے محلے میں رات بھر جاگ کر ہماری حفاظت کرتا
ہے۔ باہر کھڑا روتا بلبلاتا رہا۔ اس کے پوتے کو اندر
آگ کے شعلوں سے باہر لانے کی ہمت کس نے کی۔
ہمایوں نے۔ ہاتھ جھلس گئے بال جل گئے۔ اس نے
پروا نہ کی۔ بال چھوٹے کروا لیے۔"
فائزہ کو صائمہ کی بات اچھی نہیں لگی۔
"تم تو کبھی ہمایوں کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔ کیا
بات ہے ٹریک بدل کیوں گیا۔"
"زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔ لوگ جو کہہ رہے
ہیں۔ میں وہی دہرا رہی ہوں۔"
امی چاچی کے ساتھ ہمایوں کی مبارک بادی کے
لیے جانے لگیں تو فائزہ گھبرا گئی۔ اسے ہمایوں کی اماں
کے مزاج کی خبر تھی۔ ادھر فائزہ کی امی نے ہمایوں کے
گھر میں قدم رکھے۔ ہمایوں کی اماں سنبھل کر ایسے
سیدھی ہو بیٹھیں۔ جیسے متوقع حملہ آوروں سے
مقابلہ کرنے پر تیار ہوں۔ چاچی کو احساس نہ ہوا مگر
فائزہ کی امی ٹھٹھک گئیں۔ سلام کے بعد خیریت
پوچھی پھر کھڑی ہو گئیں۔ اماں نے شرما حضوری
روکا۔
"ابھی سے کہاں چل دیں۔ بیٹھو۔"
"بس۔ ہمایوں کی مبارک باد کو آئی تھی۔ اللہ
مبارک کرے۔ نوی کی دادی نے بھی بہت مبارک باد
دی ہے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
چاچی نے اس دوران اماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مبارک
باد دی۔ ابھی جملے منہ سے نکلے تھے کہ صفیہ بیگم واپسی
کے لیے چل دیں۔ یہ چاچی کے لیے ضبط کا کڑا امتحان
تھا۔ وہ مجبور تھیں۔ بولنے پر۔

"اُئے" خدا غارت کرے ان نوکری بانٹنے والوں کو۔ بھلا ہمارے لڑکے میں کیا کمی تھی کہ۔ جو ذرا زیادہ تنخواہ دے دیتے تو ان کی کون سی نانی مرجاتی۔ مگر ہر جگہ بے ایمانی چلتی ہے۔ سرکار کا پیسہ اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں خدا غارت کرے۔"

اماں کے تو پتنگے لگ گئے۔ ایک تو اس نکمے آوارہ گرد کو نوکری دے دی بھلے مانس نے۔ اور یہ صاحبہ ان کو غارت کرنے پر تلی بیٹھی ہیں۔ اور یہ "ہمارے لڑکے" کا کیا مطلب ہائیں۔ میرا لڑکا ان کا کب سے ہو گیا۔ ہمایوں کو دیکھتے ہی وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

"ارے محلے والوں کو کون سی امیدیں دکھا آتا ہے۔ ان کی سنو "ہمارے لڑکے" ہونہہ۔ چڑیا کا بچہ پیدا نہ کر سکیں۔ دوسروں کے بیٹے کو "ہمارا لڑکا" کہنے سے کیا ان کا ہو گیا۔ واہ یہ خوب دھاندلی ہے۔ خبردار! جو اب ان کے گھر جا کر شیخیاں بگھارین تو نے۔ نوکری ملی ہے کہیں کی بادشاہت نہیں سونپی گئی ہے۔ نوکری کا مطلب غلامی ہوتا ہے۔ شاہی نہیں۔"

ہمایوں کی سمجھ میں اتنا آگیا کہ کسی نے اسے ہمارے لڑکے کا خطاب بخشا ہے۔

"نوکری تو مل گئی ہے نا اماں! مذاق نہیں ہے کتنے لائق پڑھے لکھے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ آخر ہم میں کوئی بات تھی۔ تب ہی مرعوب ہو گئے لوگ انٹرویو لیتے ہوئے۔"

"جوتا اٹھانے۔" جہانگیر کیوں چپ رہتا۔

"واہ اپنی تو بات ہی کچھ اور ہے۔" ہمایوں جوش میں سن نہ سکا۔

"بس ڈینگیں مارتا رہ۔ اور آتا کیا ہے۔" اماں چڑ گئیں۔

پہلے دن آفس سے آکر اماں کے گلے لگ گیا۔ پھر کہا۔

"اماں۔ دو تین کارڈ شادیوں کے رکھے ہیں۔ ہائے۔ وہ موٹو صداقت اور سدا بہار سیاہ فام اکمل سب بیاہے جا رہے ہیں۔ ایک ہم کنوارے بیٹھے ہیں۔ اب تو نوکری بھی لگ گئی۔ اب کیا دیر ہے۔"

اماں ہکا بکا رہ گئیں۔ پھر انہوں نے کس کے پیٹھ پر دھمو کا جڑا۔

"ارے منحوس! دفتر روانگی سے پہلے کیوں خواہش نہ ظاہر کر دی کہ میں سہرا پہنا کر گھوڑے پر بٹھا کر تجھے دفتر بھیجتی۔ وہیں سے کسی چڑیا سن ویڑا سن کو دلہن بنا کر لے آتا۔ نکل جاتے سارے ارمان۔ پہلے دن ہی۔"

ہمایوں غیر متوقع دھمو کے سے اچھل پڑا تھا۔ جہانگیر سامنے بیٹھا ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا۔ غصے اور شرمندگی سے بسور کر بولا۔

"اماں! آپ کو لاڈ کرنے کے طریقے نہیں آتے۔ اس طرح تو تارا مسیح بھی بیٹوں کا دل نہیں توڑتا ہو گا۔ کوئی امید کا جگنو ہی میری جیب میں ڈال دیتیں۔"

"یہ لو امید کا جگنو اور صبح کا تارا۔ شام کا چاند۔" اماں نے دو تین مکے اور مارے اور کھڑی ہو گئیں۔

"اماں! ہمایوں بھائی کی بات پوری تو سن لیں۔ آخر ہمارے آس پاس کس قدر چمک دار چہرے ہیں۔ آپ بھی ان پر بھی مہربان ہو جائیں۔" جہانگیر نے ہمایوں کے اشارے پر کہا۔

"بھاڑ میں گئے — چمک دار چہرے۔ جہانگیر خبردار جو تو نے ہمایوں کی نقل کی یا اس کی ترجمانی کی۔ سب سمجھ رہی ہوں میں۔ سب کی بلی بھگت ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ ابھی کسی کی شادی نہیں کر رہی میں۔ ایک کی ہو گی۔ وہی بہت ہے۔"

"تو انتظار کی کوئی ساعت۔ کوئی ٹائم تو دے دیں۔ آج کل یہ سیاست کا اصول ہے کہ۔ جی الیکشن نوے دن یا نو ماہ یا نو سال بعد ہو گا۔ آسانی رہتی ہے۔" جہانگیر معصوم شکل بنائے بیٹھا تھا۔

"ہیں؟ کاہے کی آسانی؟" اماں کے پلے کچھ نہ پڑا۔

"انتظار کی۔ اور پہلی شادی کون سی آپ نے کر دی تھی۔ نانی اماں نہ درمیان میں ہوتیں۔ تو بھائی جان بے چارے ابھی تک ہماری طرح کنوارے بیٹھے ہوتے۔"

"اب جو کنوارے پن کی مالا جپی۔ تو ناک کے راستے نکال دوں گی۔" اماں نے بھنا کر چپل زور سے

اس کی طرف پھینکی۔ جہانگیر ہوشیار تھا۔ جھکائی دے کر بچ گیا۔ مگر سامنے کمرے سے آنے والی مزنہ زد میں آگئی۔ چپل اس کی ناک پر لگی۔ وہ چیخ کر ناک دبا کر نیچے بیٹھ گئی۔ اماں نے ہمایوں کو دھکیلا۔

"ارے جا۔ دیکھ۔ کہاں لگ گئی۔ جہانگیر! تجھے تو میں سمجھ لوں گی۔"

"لو۔ میرا کیا قصور۔" جہانگیر سٹپٹا گیا تھا۔ "آپ کے نشانے کی داد دینی چاہیے۔ اماں آپ کو فوج میں چلے جانا چاہیے۔ نشانہ کیا ٹھہرا ہے۔ واہ۔ مجال ہے ناک کے سوا کہیں اور لگی ہو۔"

پھر وہ گھبرا کر مزنہ کو بلانے لگا۔ "بھابھی! بھابھی! زور سے تو نہیں لگ گئی۔ عنقریب آپ بھی ان حملوں سے بچنے کے گر جان لیں گی۔"

مزنہ ناک دبا کر صحن کے بیسن کی طرف دوڑی۔ نل سے پانی لے کر ناک دھونے لگی۔ سفید واش بیسن خون سے سرخ ہو رہا تھا۔ اماں گھبرا گئیں۔ آخر مزنہ کو لنا دیا۔ کئی ٹکے آزمائے تب خون رکا مگر ناک سوج گئی۔ اماں دیر تک سینکائی کرتی رہیں۔ مزنہ پھپھو کے التفات پر نہال تھی۔ اماں کی صلواتوں کا شکار مسلسل جہانگیر بنا رہا۔

"اماں! پھر آپ نے ٹائم ٹیبل دیا ہی نہیں۔" موقعہ ملتے ہی جہانگیر شروع ہو گیا۔

"کون سا ٹائم ٹیبل۔" اماں حیران ہوئیں۔

"بھائی کی شادی کا۔ اب تو یہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو چکے ہیں۔"

اماں بابر کے سامنے اسے گھور کر رہ گئیں۔ بابر اور ابا بھی متوجہ ہو گئے۔ پھر سب اس موضوع پر بولنے لگے۔ سوائے ہمایوں کے۔ جو منہ پر نیپکن رکھے سر نیچا کیے کسی نئے نویلے شرمیلے دولھا کا نمونہ بنا جھوم رہا تھا۔

بابر بھی دلچسپی لے رہا تھا۔ رک رک کر بولتا۔ پھر مڑ کر بیوی کی سوجی ناک پر نظر ڈالتا۔

ابا نے کہا۔ "ہاں بھئی۔ اب تو سب کی یہی خواہش ہے۔ بیگم تیاری کر لو، دیر نہ ہونی چاہیے۔"

اماں جو اب تک ضبط کیے بیٹھی تھیں۔ بھنا گئیں۔ "ارے تو کہاں کر دوں۔ کوئی لڑکی دیکھی جاتی ہے۔ بات آگے بڑھتی ہے۔ ابھی کوئی لڑکی ملی ہی نہیں۔"

"ہیں۔۔۔ں؟ لڑکیوں کی کمی پڑ گئی۔" جہانگیر یکدم پریشانی سے بولا۔

"ہمارا وقت آنے تک تو پھر یا قاعدہ کال پڑ جائے گا۔ سن لے شاہ جی۔! تیاری پکڑ ابھی سے۔"

بابر کو ہنسی آگئی۔ "ہمارے ہمایوں کے لیے لڑکیوں کی کیا کمی۔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں۔ کیوں ہمایوں؟"

ہمایوں بھی بھلا کب تک چپ رہتا۔ نیپکن منہ سے ہٹا کر بولا۔ "میرے سامنے والی کھڑکی میں ایک چاند سا مکھڑا رہتا ہے۔" لنک کر گا کر جملہ پورا کیا تو شور مچ گیا۔

"دیکھ لیا۔ محلے والوں کی حالت۔" اماں ابا سے احتجاج کرنے لگیں۔ "لڑکوں کو کیسے پھانستے ہیں لوگ۔ وہ جو گاؤں والی چاچی غارت گر آئی ہیں۔ پہلے سے ہمایوں کو ہمارا لڑکا کہہ گئی ہیں اور یہ لڑکے۔ اس قدر کم عقل ہیں۔ دنیا کی چالاکی کو سمجھ نہیں سکتے اور سن لو۔ میں خالی خولی چاند سا مکھڑا نہیں دیکھوں گی۔ خاندان وغیرہ بھی دیکھا جاتا ہے۔ رہن سہن بھی۔"

"تو ان لوگوں کا خاندان، رہن سہن تو دیکھا بھالا ہے۔" جہانگیر نے ٹوک کر کہا۔

"میری دفعہ تو آپ نے صرف خوبصورتی کی شرط رکھی تھی۔" بابر نے یاد دلایا "خاندانی لڑکی کو کالی کلوٹی کہہ کر ریجیکٹ کر دیا تھا۔ یاد ہے؟"

"اور اب ناک بھی سوجا دی۔" شاہ جہاں بڑبڑایا۔

"اماں! انسان کو اپنا نصب العین مقرر کر لینا چاہیے۔ خیالات بدلتے رہنا زیب نہیں دیتا۔ میری باری آئے تک آپ خاندان اور خوبصورتی بھلا دیں گی اور چاہیں گی کہ بس اعلا تعلیم یافتہ ہونا چاہیے۔" جہانگیر بولے جا رہا تھا۔



"اسی لیے جہانگیر نے ایک ڈاکٹرنی سے بات۔۔۔" شاہ جہاں بے ساختہ بولا پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔ سب ہنس پڑے۔ اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"لو دیکھو ذرا۔" ان کے منہ سے مایوسی کے عالم میں نکلا۔ "کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں اور میں تجھی بے خبر ہوں۔ سب نے اپنے جوڑ خود تلاش کر لیے۔"

"بیگم! یہ سازش نہیں۔ ان کا حق ہے۔ ساتھ ہی ماں باپ پر اعتماد کی نشانی۔ انہوں نے خواہش ظاہر کر دی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ان کی خواہش کے مطابق معاملات آگے بڑھائیں۔ مجھے یقین ہے میرے بیٹے کبھی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔ جیسے میرے بابر نے مضبوط قوت ارادی سے اپنی پسند حاصل کر لی۔ بیگم! یہ کچھ غلط راستے پر نہیں چلیں گے۔ مجھے ان پر پورا اعتماد ہے۔ ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔"

ابا کی بات ختم ہونے کی دیر تھی۔ ہمایوں ٹشو پھینک کھڑا ہو کر ناچنے لگا۔ جہانگیر نے بھی فوراً ساتھ دینا مناسب سمجھا۔ شاہ جہاں بھی اس کی نقل کرنے پر مجبور تھا۔ ورنہ بعد میں ہمایوں اس کا گریبان پکڑتا کہ تمہیں میری خوشی کی خوشی نہیں۔ کانگنجائش ہے۔"

"ابا! ہمارا تو خاصا برا ہے۔"

جہانگیر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ کیوں؟" ابا حیران ہوئے۔

"بات۔۔۔ شاہ جہاں آج کل چار بچوں والی بیوہ کے گھر بہت جاتا ہے پابندی سے۔"

شاہ جہاں کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ بس چلتا تو جہانگیر کو کھا جاتا۔ سب کی نظریں اسے تول رہی تھیں۔

"جہانگیر۔" وہ چیخا تھا۔ "ابا! وہ بچے جھگیاں ہیں۔ وہاں ایک بیوہ عورت ہے۔ اس کے بچوں کو پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ان کے پاس کتابیں کاپیاں نہیں ہیں۔ میں نے انہیں جونیئر اسکول میں داخلہ دلوا دیا ہے۔ تو کاپیاں وغیرہ جا کر معلوم کر لیتا ہوں کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ دے دیتا ہوں۔ میری پاکٹ منی اسی میں لگ جاتی ہے، سچ ابا! بس اتنی سی بات ہے۔"

وہ ڈرا ہوا سا اماں کو دیکھنے لگا۔ اماں نے اسے گلے لگا لیا۔ پیار کیا۔

"بہت اچھا کرتے ہو بیٹا۔" وہ لاڈلا بھی تھا۔

"یہ تو بہت اعلا ظرفی کا ثبوت ہے۔ ثواب کا کام ہے۔ دوسروں کے کام آنا، یتیموں، بیواؤں کی مدد اور احساس کرنا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ ابھی تو اس قابل نہیں ہوا کہ مستقبل کا لائحہ عمل طے کر سکے۔ مگر تم میں سے کوئی بھی کسی بیوہ کا سہارا بننا چاہے۔ میں اس کی تائید کروں گا کہ یہ عین سعادت ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیوہ سے شادی کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ ہماری زندگیاں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کی تقلید کرتی ہیں۔ تو یہ اعلا اصول ہی ہماری نجات کا باعث بن سکتے ہیں۔"

"شاہ جہاں ہی ایسا کرے گا۔ بیوہ سے ہمدردی۔"

"بیٹا! ماں کو راضی کرو پہلے۔ اطمینان سے چلیں گے حنیٰ صاحب کے گھر کا گڑ کھا چکے ہیں۔ گویا منہ میٹھا کر چکے۔ اب تمہیں کیا فکر ہے۔" ہمایوں شرمایا۔

"ابا! میں کچھ سوچ رہا ہوں۔" جہانگیر متفکر چہرہ بنا کر گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔

"ہاں ہاں۔ کہو۔" ابا بھی آج فارغ تھے۔

"کیا سوچے گا یہ۔ سوائے حماقت کی بات کے۔" اماں اسے خوب جانتی تھیں۔

"ابا! گھر تو ہمارا خاصا بڑا ہے۔ آپ کی بیواؤں سے ہمدردی بھی ہے۔ پھر آپ نے اسے عملی جامہ کیوں نہ پہنایا۔ خالی خولی جمع خرچ زبانی۔" ابا حیرت سے جہانگیر کو دیکھ کر رہ گئے۔

اماں اپنی جگہ اچھل کر رہ گئیں "ارے" وہ کپکپاتی آواز میں بولیں۔ "اس کا جگر دیکھو۔ ماں پر سوت لانے کا چاؤ۔ شرم تو نہیں آتی۔"

انہوں نے چپل اٹھالی۔ پھر سب کو ناک پر ہاتھ رکھے دیکھ کر چپل نیچے پھینک دی۔

"اماں! نیکی کا مشورہ دینا بھی ثواب ہے۔" جہانگیر ناک سے ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"بیٹے! بات پتے کی ہے۔ کام نیکی کا ضرور ہے مگر کیا کریں کہ ساری ہمدردیاں تمہاری ماں نے سمیٹ لیں۔"

"اپنی گنجائش دیکھی۔ ہمارا نہیں سوچا۔ ہمیں ایک بہن کی ضرورت ہے۔ آخر وہ کہاں سے ملے گی۔"

"یار! تین بھابھیاں ہوں گی۔ انہیں بہن سمجھ لینا۔ ایک تو بہن ہے ہی۔"

"تا جی نا۔ بہن۔ پیور بہن۔ اصلی تے وڈی۔ بھابھی کے رشتے میں الجھی بہن نامنظور۔"

"گھبرا جا۔ دیتی ہوں تجھے ایک بہن۔ اصلی تے وڈی۔" اماں تلملا کر اٹھیں۔

"ہیں ہاں؟ اماں؟ واقعی؟ اس عمر میں؟" شاہ جہاں دم بخود رہ گیا۔

سب کے قہقہے چھت پھاڑنے لگے تو اماں بھی شرما گئیں۔ بابر شاہ جہاں کو گدگدانے لگا لیکن ہمایوں کو برا ملال تھا کہ بہن کے قضیے میں الجھ کر اس کے رشتے کی بات وہیں رہ گئی۔ جہانگیر میں اماں کا اثر اور خصوصیت آئی تھی۔ ضروری بات پس پشت ڈال کر کسی غیر ضروری معاملے میں الجھ کر سب کی توجہ ہٹا دیتا تھا۔

"یار! تجھے ضرور ہی بہن اس وقت چاہیے تھی۔ جب میرا معاملہ زیر غور تھا۔ یہ مزہ کیا کافی نہیں۔ اور دوسری فائزہ۔ دو بہنیں تیرے لیے کافی ہیں۔" ہمایوں خفا ہوا۔

"نا۔" جہانگیر بے موقعی میں نمبر ون تھا۔ "مجھے سگی والی بہن چاہیے۔ اچھا۔ کیوں نہ ہم اپنے شاہے کو رنگین دوپٹہ اوڑھا کر بہن بنا لیں۔ شکل بھی اس کی خاصی زنانی ہے۔"

شاہ جہاں سنتے ہی جہانگیر پر پل پڑا۔ ویسے اس کی مردانگی پر تہمت تھی۔ گو کہ اس کا رنگ سب سے گورا تھا۔ آنکھیں نیلی، بال گولڈن، صحت ڈیل ڈول میں وہ جہانگیر سے ایک انچ ہی کم ہو گا۔ وہ اپنی عمر سے بڑا لگتا تھا۔ اس پر یہ چھیڑ ناجائز تھی۔

ہمایوں کو ہنسی تو بہت آئی مگر انہیں ایک دوسرے کے شگفتے سے چھڑانا بھی ضروری تھا۔ جوش و خروش طاقت آزمائی کی وجہ سے شاہ جہاں کا رنگ انگارہ تھا۔ ہمایوں نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ برابر کیے۔ پیشانی پر محبت بھرا بوسہ ثبت کیا۔ تب اس کا غصہ کم ہوا۔ ہمایوں نے تند نظروں سے جہانگیر کو گھورا۔

"جہانو! بری بات۔ یہ تو صاف مردانگی پر حملہ تھا۔ غیرت پر تازیانہ۔ یار۔ ایسے تو بھائیوں کو قتل کیا کرتے۔"

پھر شاہے سے کہا۔ "اور تم کو کیا ہوا تھا۔ بہن کوئی بری چیز ہے۔ بہت پیارا رشتہ ہوتا ہے۔ بھائیوں سے لیے۔ بھائی خوش نصیب ہوتے ہیں [illegible] کوئی بہن بھی ہو۔"

"تگ۔ [illegible] تو دوپٹہ اڑھا [illegible] رہے تھے [illegible] تو کھسرا اور ہنستے ہیں۔ میں [illegible] ندانہ کرے کھسرا تو نہیں [illegible]۔" شاہ جہاں رونے کو تھا۔

جہانگیر وہیں پلنگ پر لوٹ پوٹ ہو گیا اور اس کی طرف اشارے کر کر کے قہقہے لگانے لگا۔ شاہ جہاں نے جھپٹا۔

"جہانگیر لندق ختم۔ سوری کرو شاہ جہاں۔"

یہ بابر کا آرڈر تھا۔ جو ابھی آ کر کھڑا ہوا تھا اور ہی نے اس شور شرابے کی وجہ بیان کر دی تھی۔ جہانگیر بمشکل اٹھ کر کھڑا ہوا۔ شاہ جہاں کو گلے لگا کر سوری کہا۔ پیار بھی کیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

چاچی کا قیام طویل ہو گیا تھا۔ وہ اب گاؤں جانے کے لیے تیار نہ تھیں۔ گو کہ امی ان کی وجہ سے کبھی کبھی خاصی شرمندہ ہو جاتیں۔ فائزہ بھی چھپتی پھرتی کہ وہ ہر کسی کو تو غارت کر چکی تھیں۔ (دعا۔ یا بددعا کی حد تک) اب گھر والے رہ گئے تھے۔ فائزہ ڈرتی تھی کہ اس کی باری نہ آ جائے اور وہ ان کی بددعا کا شکار ہو جائے۔

یوں بھی وہ ہر وقت فکر مند رہتی۔ شیما اور اختر کا ہوا اسے پریشان رکھتا۔ نومی کو اس کی فکر پریشانی سے کیا۔



وہ ہمایوں اور جہانگیر کو بلاتا اور چاچی کے ساتھ پُر لطف مذاکرات شروع ہو جاتے۔ گو کہ چاچی کے سامنے تینوں نیک فرشتہ، سنجیدگی کا مرقع بنے بیٹھے رہتے۔ ان کی ہاں میں ہاں ملا کر مزید جوش دلاتے اور چاچی کے جاتے ہی قہقہوں کا طوفان امڈ پڑتا۔ ان کے جملوں کو بار بار دہرا کر پھبتیاں کسی جاتیں۔ فائزہ کا غصہ عروج پر ہوتا۔

"خود تم کچھ کم ہو۔ جو پاس پڑوس سے ایرے غیرے بھی بلا کر لے آتے ہو مذاق اڑوانے۔ آنے دو چاچی کو۔ بتاؤں گی انہیں۔ کتنی بری ہیں وہ۔" وہ نومی کو دھمکاتی۔

"تو وہ بھی ایرے غیرے نہیں۔ پڑوسی ہیں۔ پڑوسیوں کا حق رشتے داروں سے زیادہ ہوتا ہے اور [illegible] بھائی نے ون رشتے دار ہیں۔ خون کا تعلق بن گیا ہے ان [illegible] دادی کو خون دیا تھا انہوں نے۔ پوچھ لو دادی سے۔"

✈ ✈

عید کے وقت ایک دن چاچا آ گئے۔ اب دونوں میں [illegible] ہونے لگی۔ [illegible] اغارت [illegible] اور بیڑہ غرق [illegible] تو تو میں [illegible] مسلسل [illegible] ان ہونے لگی۔ [illegible] سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر پتا چلا۔ چاچا نے اولاد کی خاطر [illegible] اجی سے مایوس ہو کر دوسری [illegible] شادی [illegible] کر لی۔ [illegible] کی بیٹ [illegible] کے بعد آخر چاچی نے انہیں اولاد عطا کر دی۔ چاچا شوہر اور سوکنوں کی خدمت کر کر کے تھک گئیں تو آرام کے لیے شہر گھومنے بھتیجی کے پاس آ گئیں۔

وہ تو واقعی سیر تفریح اور آرام میں تھیں۔ گاؤں میں مشکل آ گئی۔ چاچا کو وقت پر کھانا ملتا نہ ناشتہ، نہ چلم گرم ملتی، حقہ ٹھنڈا۔ بیمار ہوئے تو کسی بیوی کو دواؤں کی خبر نہ تھی۔ تینوں کے نخرے خود ہی برداشت کرتے تھے۔ وہ آرام طلب، کاہل اور دوسروں کی مدد کی محتاج رہتیں۔ ایک سوچتی میں کیوں کروں، دوسری کر لے گی۔ دوسری کہتی تیسری کرے میں کیا فالتو ہوں۔ تیسری تو یوں بھی ماں کا اعزاز پا کر فخر سے پھولی رہتی ہر وقت چوتھی کی دلہن بنی سنگھار کی فکر میں مبتلا۔ غرض گھر تباہی کے دہانے آن لگا۔ تب انہیں بڑی باجی کی قدر ہوئی۔ بڑے میاں کو بھیجا گیا۔ گھر کی دکھ بھری داستان نے چاچی کو تڑپا دیا۔ مگر ان کی بھی انا تھی۔

"ارے خدا غارت کرے میں کیا ان سب کی زر خرید ہوں۔ انسان ہوں۔ جانور تو نہیں کہ سب کے آگے دم ہلاتی رہوں اور مرتی کھپتی رہوں۔ میں یہاں بڑے آرام سے ہوں۔"

"تو تو میرے گھر کی رانی ہے۔" چاچا کو اعتراف کرتے بنی۔

"رانی؟ کہ نوکرانی۔ خدا غارت کرے ان تینوں کو۔"

"تیرا بیڑا غرق ہو۔ تیسری کو کیوں بلاتی ہے۔ بس ہو چکا آرام۔ چل۔"

"نہ۔" منہ موڑ کر چاچی اندر گھس گئیں۔ فیصلہ کچھ نہ ہو سکا۔ گھر میں عجب قسم کی ٹینشن تھی۔ کوئی چاچی سے کھسر پھسر کر رہا تھا تو کوئی چاچا کے کان میں گھسا بیٹھا ہے۔ حشی صاحب غیر جانب دار تھے۔ انہیں چاچی سے ہمدردی تھی جو تین سوکنوں اور شوہر کی زد میں ناانصافی کا شکار تھیں۔ لیکن بہرحال انہیں اپنے گھر تو جانا تھا۔ وہ بیگم سے کہہ چکے تھے کہ ناانصافی نہ ہو اور کسی کو ناراضی کا موقع نہ دینا۔ آخر چاچی نے دادی کے گھٹنے پکڑ لیے۔

"خالہ! تم ہی انصاف کرو۔ میرا کیا قصور ہے۔ ساری عمر اس بندے کے گھر میں اپنی ہڈیاں گھستی رہی۔ اب اس کی تین جورو ئیں موجود ہیں۔ ان سے خدمت لے۔ میں ذرا سے آرام اور سکون کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تو پھر ادھر قیامت برپا ہو گئی۔"

"اللہ تمہارا انصاف کرے گا۔ صبر سے کام لو۔" دادی نے تسلی دی۔

"اللہ تو سب کچھ کرتا ہی ہے۔ میں کہتی ہوں یہ دنیا کب انصاف کرے گی خدا اسے غارت کرے۔"

"اچھا۔ بلاؤ کریم اللہ کو۔ سنو کریم اللہ۔ یہ اسی وقت تمہارے ساتھ جائے گی۔ جب اسے بھی گھر

میں کچھ سکھ ملے۔ چار بیویوں والے ہو۔ سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔ چاروں کی ڈیوٹی کام کی لگاؤ۔ ایک دن ایک کھانا پکائے۔ دوسری کپڑے دھوئے تیسری گھر کے دوسرے کام کرے۔ سب میں ایک ایک کام بانٹ دو۔ اس کو بھی کچھ آرام ملے۔"

کریم اللہ عرف چاچا نے گردن ہلائی۔ چاچی نے احتجاج کیا۔

"خالہ! یہ اب اس طرح گردن ہلا رہے ہیں۔ گھر جا کر سب بھول جائیں گے۔"

"کیسے بھولیں گے۔ پنچایت کا فیصلہ ہے یہ۔" دادی اکڑ گئیں۔

"خالہ! خدا غارت کرے' وہ تینوں بڑی زبردست ہیں۔ سانیں گی نہیں۔"

"تو بھی کم نہیں ہے۔" دادی آہستہ سے بڑبڑائیں۔ "کریم اللہ جا کر ان تینوں کو بھی بلا لا۔"

دادی باقاعدہ چیئرمین بن گئیں۔ اب کریم اللہ کو جانا پڑا۔

اگلے دن تینوں بیویاں آگئیں اور ان کے آتے ہی گھر میں عجیب طوفان آوو کا شور اٹھا۔ ایک چاچی سے لپٹی رو رہی ہے دوسری ان کے پیر پکڑے بیٹھی ہے تیسری دادی کی گود میں سر ڈالے بیٹھی بلک رہی ہے۔ سب کا اصرار کہ اب چاچی کو اپنے گھر جانا چاہیے۔ ان کے بغیر گھر میں رونق نہیں۔ چاچی منہ پھلائے بیٹھی تھیں۔ ان کے ہوتوں سوتوں کو بھی غارت کر چکیں تو کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

"میں الگ گھر میں رہوں گی۔ مجھے تم تینوں کے ساتھ نہیں رہنا۔"

تینوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اب تینوں چیخ مار کر چاچی سے چمٹ گئیں اور لگیں خوشامد کرنے۔

"آپا! تم میرا وہ بالہ کا بیڑ لے لینا۔ ایمان سے نیا کور ہے ابھی اس پر بستر بھی نہیں ڈالا۔"

دوسری نے کہا۔ "باجی میرے سارے ریشمی جوڑے تم لے لینا اور ملتانی جھمکیاں بھی میں تم کو دے دوں گی۔ میرے دل میں تمہاری بڑی عزت ہے۔"

چاچی نے تیسری کی طرف نظر ڈالی۔ "اب تو بھی منہ سے کچھ پھوٹ۔"

وہ نظر جھکا کر کہنے لگی۔ "میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں۔ مگر میں منت کرتی ہوں آپا! گھر چلو۔ وہی تمہارا اصلی گھر ہے۔ ہم تینوں کو تمہاری ضرورت ہے۔"

"لو۔ انہیں میری ضرورت ہے یا میرے ہاتھ پکی کی؟ کہ پکا کر کھلاؤں۔ گھر کی دیکھ بھال کروں۔ بھینسوں کے چارے دانے کی فکر کروں۔ بھینسوں' بکریوں' مرغیوں کی دوا علاج بھی میں کروں اور صلے میں کیا ملے گا؟ بالہ کا پلنگ۔ اور ریشمی جوڑے۔ کیوں؟ میرے پاس پلنگ نہیں ہے کیا۔ چاروں بالہ کے چارپلنگ ڈال کر ان پر سوؤں۔ ریشمی جوڑوں سے بکس بھرا ہوا گھر میں ہے۔ بھوکی نہیں ہوں ان چیزوں کی۔ ہڈیاں گھسی ہیں۔ عیش کریں یہ ہڈحرام۔ خدا غارت کرے۔"

"میری بات سنو آپا!" تیسری نے ان کا آنچل پکڑا۔ "میں تمہیں ایک ایسی چیز دے سکتی ہوں۔ جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ ہو سکتی بھی نہیں' میں تمہیں اپنا بیٹا دے دوں گی۔ اسے پال کر بڑا کر دینا۔ گردنیا کو تماشا نہ دکھاؤ۔ بے شک کوئی کام نہ کرنا۔ مگر گھر چلو۔ گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔"

"اری۔ کیا بولی۔ پھر سے کہہ۔" چاچی کا منہ آنکھیں پھاڑ گئیں۔

"ہاں آپا! آن سے میرا گڈو تمہارا ہوا۔ میں بھی اس پر حق نہیں جماؤں گی۔"

سوکن کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ چاچی بھی آبدیدہ ہو گئیں۔ پھر گڈو کو اس کی گود سے لے کر پیار کیا۔ چٹا چٹ چوما اور واپس اس کی ماں کی گود میں ڈال دیا۔

"اللہ سلامت رکھے اسے اور اس کی ماں کو۔ یہ جس کا ہے۔ اسی کی گود میں پلے گا۔ تمہیں مبارک ہو۔" آواز بھرا گئی۔

"اللہ سلامت رکھے۔ اللہ سلامت رکھے۔"

اندر کے کمرے سے نوی جہانگیر نے نکل کر کورس کے ساتھ ڈانس شروع کر دیا۔ سب مسکرانے لگے۔

چاچی کمرے میں گھس گئیں۔ جب باہر آئیں تو ان کے ہاتھ اپنی قبا۔ سوکنوں سے بولیں۔

"چلو اٹھو' اب گاؤں پہنچتے پہنچتے شام ہو جائے گی۔"

"چلو چلو اب۔ گاؤں چلو۔" نوی اور جہانگیر پھر سے اچھلنے کودنے لگے اور اسی طرح رقصاں رقصاں چاچی کو اپنی لے لیا اور انہیں بلکہ پورے قافلے کو رخصت کرنے باہر چلے گئے۔ پھر نوی ہاتھ جھاڑتا واپس آگیا۔

وہ مبارک دن تھا۔ چاچی کی صلح صفائی ہو گئی اور تمام کو لوگ آکر فائزہ کو پسند کر گئے۔ دادی کے دور کے رشتے دار تھے' دادی تو پوری راضی تھیں مگر سوچنے کے لیے وقت مانگ ہی لیا۔

پھر یہ بات ہوئی کہ تابو توڑ دو رشتے اور آگئے۔ ایک ہمایوں کا۔ دوسرا احمر کا۔ وہ خود اپنے والدین کو لے کر آیا تھا۔ فائزہ گھبرا گئی۔ کانپنے لگی۔ یہ کون سا انتقام ہے؟ کیا شیما کی سازش ہے۔ اس کے ساتھ تصویریں کھنچوائی تھیں۔ اس نے کہا تھا۔ مگر وہ تو۔۔۔ اس کے ساتھ کی رسوائی کے انتقام کے بعد کا انتظام تھا۔ فائزہ

کے عذر پر انہوں نے کہا۔

"برسوں پہلے ایک بات ہوئی تھی۔ منگنی تو نہیں ہوئی تھی۔ اب لڑکا وہاں نہیں چاہتا۔ ہم بیٹے کی خوشی کی خاطر آتے ہیں۔ پاگل نہیں ہیں جو ایک بیٹے کی دو جگہ بات کریں گے۔"

ابا نے مجبوری ظاہر کر دی۔ چونکہ معاملہ مشکوک ہی تھا اس لیے بھی ابا نے جان چھڑالی۔ ان کی خوشامد پر معذرت کرلی۔ اب بقیہ دو رشتوں میں دادی کے رشتے دار ابا اور دادی کے ووٹ کی وجہ سے اکثریت میں تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

صائمہ آئی تو پوچھنے لگی۔

"آج کل نئے نئے لوگ تمہارے گھر کے پھیرے لگا رہے ہیں معاملہ کیا ہے؟"

"معاملہ کچھ نہیں۔ دروازے سے اسی طرح کوئی بھی آسکتا ہے جیسے تم آئی ہو۔"

"میں نئی ہوں نہ انجان۔ تم چھپا رہی ہو۔ کل جو لوگ آئے تھے وہ پہلے بھی دوبار آچکے ہیں۔ ان کا بیٹا بھی ساتھ تھا۔ اب بتاؤ۔ اس سے پہلے کچھ اور لوگ بھی دیکھے گئے۔"

صائمہ کی جاسوسی کمال کی تھی۔ بقول اس کی امی کے اسے غیب کا علم ہے۔

"کیا تم ہر وقت کھڑکی میں لگی رہتی ہو۔ سڑک کی نگرانی کرتی رہتی ہو کہ کون کہاں گیا۔"

"اتفاق۔ مائی ڈیئر! اتفاق۔ ضروری نہیں کہ میں ہر وقت کھڑکی میں لگی رہوں تب ہی مجھے معلومات ملیں۔ خبریں مل جاتی ہیں۔ سچ بتاؤ۔ رشتہ آیا تھا تمہارا؟"

فائزہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی بتا دیا اور یہ بھی کہ انکار ہو گیا ہے۔

روتے ہوئے۔ "یار! انہیں ہمارے گھر بھیج دینا تھا۔ میری امی کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔"

"نیند حرام ہونے کی کیا بات ہے۔ تمہاری اتنی بھی عمر نہیں ہوئی کہ۔۔۔۔"

"تمہیں کیا احساس۔ تمہارے ہاں تو رشتوں کی لائن لگی ہے۔ امی کو پچھتاوے بھی بہت ہیں۔ دو دو بہو کسی کے سامنے میرے دکھڑے رویا کرتی تھیں۔ ساس کا اثر ہے کہ لوگ ادھر آتے ہوئے سوچتے ہیں کہ جب ماں اس قدر بیزار ہے تو۔۔۔ تمہاری خدا خیر کرے چاچی چلی گئیں؟" صائمہ نے بات پلٹ دی۔

"ہاں بھئی۔ اب وہ اللہ سلامت رکھے ہوئی ہیں۔"

"فائزہ! تمہارے والدین کیسا داماد چاہتے ہیں۔" صائمہ نے پوچھا۔

"کیوں؟ تمہارا بھائی تو مجھ سے پانچ سال چھوٹا ہے۔"

"ہمارے ماموں جوان ہیں۔"

"میں سفارش کروں گی۔"

"اچھا وہ چچا بھی موجود ہیں مگر شادی شدہ ہیں۔"

"چچا کیوں۔ دادا کیوں نہیں؟" فائزہ اس پر جھپٹ پڑی۔

"تو ایسا بھی ہو ہی جاتا ہے۔ اٹھارہ سالہ لڑکی اسی سالہ بڈھے سے بیاہ دی جاتی ہے۔ بیس سالہ لڑکی پانچ سال کے بچے کے ساتھ۔ یہ ہمارے معاشرے کی وہ کمزوریاں ہیں۔ جن کو دور کرنے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔ بہرحال۔ میری دعا ہے کہ تمہیں ہمایوں جیسا شریک حیات۔۔۔ خواہ مخواہ محبت کرنے والا۔"

"صائمہ! چپ کرو۔ ایسی بددعا نہ دو۔" وہ بگڑ گئی۔

"مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ مجھے ایک نئی دنیا کی تلاش ہے۔ خواب ناک سحر انگیز ماحول اور بہت اونچا دولت مند ساتھی جو میرے ہونٹوں سے نکلتے ہی ہر خواہش پوری کر سکے۔ لیکن میں اتنی حقیقت پسند ضرور ہوں۔ جانتی ہوں میری خواہش ناممکن ہے۔ ہمارے گھروں میں۔۔۔ ہمارے جیسے لوگ ہی آئیں گے مگر میں کہتی ہوں۔ ہمیں ایسے خواب کیوں آتے ہیں۔ ہمیں خود پر قابو پانے کی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ صرف ڈراموں اور فلموں میں ہی یہ انہونی کیوں ہوتی

فائزہ نے پہلی بار کسی کے سامنے دل کھولا تھا۔

"فائزہ! اس ماحول کے ہم عادی ہوتے ہیں۔ ہمیں ایسی دوسری دنیا سوٹ نہیں کرتی۔ جو اتنی مختلف ہو۔ خوابناک پُراسرار وغیرہ قسم کی۔ ہمیں صرف سادہ اور مخلص ساتھی کی دعا کرنی چاہیے۔ جو بے شک ہر خواہش تو پوری کرے نہ کرے مگر دکھی نہ ہونے دے۔ خوشیاں دینے کی پوزیشن میں ہو۔ مضبوط قوتِ ارادی والا۔ ہمایوں جیسا۔ دولت مند اور عاشق شوہر فضول سا ہوتا ہے۔ مغرور۔"

صائمہ کی سادہ نصیحتیں اس کے دل کو اچھی لگیں مگر اسے یقین نہ تھا کہ ہمایوں اس کے لیے موزوں ہوگا۔ وہ نخرے والا، ضدی اور حاکمیت پسند ہو گا۔ گھر میں غصہ بھی ضرور کرتا ہوگا۔ اسے اکثر فون قسم کے مردوں سے بہت ڈر لگتا تھا اور جب ابا نے اس کے رشتے دار کے لیے سے رائے لی۔ تو اس نے دادی کے رشتے دار کے لیے انکار کر دیا۔ نوی نے سنا تو اس کا منہ پھٹا اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں

"پھپھی تو نہیں ہے۔ ہمایوں بھائی کو تو بجیکٹ کر دیا تم نے۔ بہت کیسے ہوں گی تمہاری۔" وہ دانت پیس رہا تھا۔

"میری مرضی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"مرضی کی ماں کی۔" نوی کا بس نہ چل رہا تھا۔ "ہمایوں بھائی آفس کی جانب سے کسی دور افتادہ علاقے میں سروے کے لیے گیا ہوا تھا۔ ورنہ وہ اس سے کہتا۔

"ہمایوں بھائی! آپ جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں۔ لڑکی پاگل ہو چکی ہے۔"

لڑکے والوں کو عجلت تھی۔ تاریخ بھی طے کر دی۔ ابا بھائیوں کو منانے گئے۔ بارے کچھ برف پگھلی۔ مائدہ اپنے گل گوتھنے گولو مولو سے بیٹے کو لے کر آگئی۔ گھر میں ہلچل سی ہونے لگی۔ مائدہ نے سنا کہ فائزہ نے ہمایوں کے مقابلے میں اس رشتے کو پسند کیا ہے تو وہ دنگ رہ گئی۔

"آپی! شادی میری ہے یا تمہاری۔ مجھے وہ پسند نہیں۔ بات ختم۔"

مگر مائدہ کو اس کا جھنجلایا ہوا انداز عجیب لگا۔ جیسے وہ خود بھی پچھتا رہی ہو۔

"فائزہ! ہم ہمایوں کو بچپن سے دیکھ رہے ہیں۔ کوئی عیب، خرابی یا کمی اس میں نہیں دیکھی اور بالکل انجان لوگوں پر بھلا کیسے بھروسا کیا جا سکتا ہے۔ دادی کے دور کے عزیز۔ مگر ہیں تو انجان۔ ہم ان سے واقف نہیں۔"

"تمہارے والے بھی انجان ہی تھے۔ یہ تو جوا ہوتا ہے آپی! بعد میں ہی پتا چلتا ہے کہ جیت ہوئی کہ ہار۔"

"میرا معاملہ تو۔۔۔ الگ تھا۔ اگر چچا کے سالے نے شور شرابا نہ کیا ہوتا اور چچا صاحب نے دھمکیاں نہ دی ہوتیں۔ تو۔۔۔ اتنی عجلت میں میری شادی نہ ہوتی۔ پھر یہ کہ اتفاق سے یہ رشتہ بغیر کوشش کے آگیا تھا۔ ان صاحب کے مقابلے میں، بہت بہتر تھا۔ ادھر تو نہ کوئی تمیز تہذیب نہ ظرف۔ خالی دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔ ہم آہنگی بہت ضروری ہے۔ اسلم کوئی زیادتی کرتے ہیں تو میں برداشت کر لیتی ہوں۔ وہ بعد میں معافی مانگ لیتے ہیں۔ میں ان کو کبھی نظر انداز کر دوں تو وہ احساس نہیں ہونے دیتے۔ بعد میں مجھے خبر ہوتی ہے۔ تو بہت پچھتاتی ہوں۔ مگر۔۔۔ انا کا مسئلہ بیچ میں نہیں لاتے۔ اپنی خطا مان لینے میں تعلقات میں بہتری اور وسعت ہو جاتی ہے اور عمر کے زیادہ فرق میں ایک جھجک سی ہوتی ہے۔ ہم آہنگی نہیں ہوتی بلکہ صرف سمجھوتا کرنا ہوتا ہے۔ لڑکی کے لیے سزا۔۔۔ میں شکر ادا کرتی ہوں۔ اپنے رب کا۔ اپنے والدین کا، اپنے نصیب کا" فائزہ! کہتے ہیں خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا ہے۔ کیا واقعی تم۔۔۔ ہمایوں کو نہیں پہچان سکیں۔"

"آپی! ہم عام لوگ۔ عام لوگوں کے لیے ہیں۔ وہ ٹھہرے شہزادے۔ ان کو ان جیسی کوئی شہزادی مل جائے گی۔ اگر میں امی کی بات مان لیتی تو لوگ یہی سمجھتے کہ ہمارا کوئی افیئر چلا ہوگا۔ یہ خاصی بدنامی کی

بات ہے۔ بس اس لیے اور یوں تو نصیبوں کی کے خبر ہے۔"

فائزہ سنجیدہ تھی۔ مائدہ اس کے انکار۔ ہچکچاہٹ کو سمجھ گئی اس میں خودداری بہت ہے۔ ہمایوں کے ساتھ بچپن گزرا تھا۔ سب سے پرانے ہمسائے وہی تھے۔ فائزہ ذہین ہے۔ اس نے سوچا۔ لوگ اس شادی کو عشق عاشقی کا کھیل سمجھ کر پھبتی کسیں گے۔

شادی کی تیاری مکمل تھی اور جوں جوں دن قریب آرہے تھے فائزہ کی امی کا دل پھڑپھڑانے لگا تھا۔ اس کو پسینے چھوٹ گئے۔ سانس رکنے لگا۔ سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے بیٹھتی چلی گئی۔ پھر اسے لڑکیوں کا خیال آیا۔ انہیں ٹال کر کمرے میں جا گھسی۔ اب لاکھ وہ دل کو یقین دلائے کہ بے قصور ہے، مگر کون مانے گا۔ وہ خود بھی خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔ ناکردہ گناہ کی سزا وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی تھی۔

ابا بڑی ہمت کر کے لڑکے کے باپ سے بات کرنے گئے تھے۔ رشتے دار تھے۔ شاید انہیں عزت کا خیال آجائے۔ فائزہ کو جتنی آیات اور دعائیں یاد تھیں وہ پڑھ پڑھ کر دعائیں کرنے لگی۔ امی نے اس سے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ وہ اپنی بیٹی پر [illegible] تھے۔ وہ قسم کھانے، حلف اٹھانے کو تیار بیٹھی تھی۔ مگر اس سے کیا ہوتا۔ لڑکے والوں کو اس پر اس کے حلف پر یقین آجاتا؟ داؤ پر سکتہ طاری تھا۔ مائدہ گم صم تھی۔ امی کو ہوش آگیا تھا۔ فائزہ ان کے قریب جانے سے گریز کر رہی تھی۔ نومی صحن میں آکر پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں کس قدر شور تھا۔ ڈھول کی ڈھم ڈھم لڑکیوں کے سریلے قہقہے اور اب ایک ادائیں سناٹا۔ ابھی کچھ ہی دیر کے بعد مہمانوں کی آمد متوقع تھی۔

فائزہ سمجھتی تھی وہ نومی سے ہر بات کر سکتی ہے ڈیڑھ سال بڑے بھائی کو وہ ڈانٹ لیتی تھی۔ مگر اب اس کی ہمت نہیں تھی۔ جانے کے بعد وہ پہلا قدم آگے کیسے اٹھا رہے تھے۔ نومی کا نام زبان پر آنے سے پہلے لفظ منجمد ہو جاتے۔ حیا اور غیرت کا مفہوم آج پورے سیاق و سباق کے ساتھ اس کے سامنے روشن ہوا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ خود سے ہی شرما رہی تھی پھر ایسا ہوتا ہے۔ قبرستان جیسا ہو کا عالم۔ اور فلموں میں۔۔۔ چیخ پکار۔ خوشامد۔ ڈائیلاگ۔ پھر کسی کی موت۔۔۔ وہ کانپ گئی۔ خدا نہ کرے۔ رحم اے خدا! یہ رسوائی۔ بدنامی۔۔۔ میں زندہ کیسے ہوں۔

پھر اس نے ابا کو اندر آتے دیکھا۔ صحن میں بیٹھے نومی نے گردن اٹھا کر ابا کو دیکھا۔ ابا کمرے میں چلے گئے۔ ایک منٹ بعد ہی۔۔۔ نہ جانے کس کی چیخ تھی۔



نتیجہ یا عدہ تھی۔ نومی نے ایک زقند بھری اور کمرے میں جا گھسا۔ مائدہ کے رونے کی آواز۔۔۔ وہ منہ چھپا کر [illegible] کر رونے لگی۔ کیا ہوا [illegible] وہ بھی گئی تھی۔ کب نومی باہر بھاگا اور کس کو بلا کر لایا۔ اس نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

ہمایوں اور جہانگیر نومی کے ساتھ اس کی امی کو پلنگ سمیت اٹھا کر باہر لے گئے پھر انہیں ہاسپٹل لے جایا گیا۔ اس نے امی کو جاتا دیکھا نہ ابا کو گردن جھکائے باہر نکلتے دیکھا۔ اسے پتا نہ تھا مائدہ کہاں ہے۔ اس نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ چلتے چلتے ہمایوں نے رک کر نومی سے کوئی اشارہ کیا۔ نومی اس کے پاس آیا۔ آہستہ سے بولا۔

"فائزہ! ہم امی کو ہاسپٹل لے جا رہے ہیں۔ حوصلہ کرو۔ دعا کرو کہ امی کو صحت کے ساتھ آج ہی لے آئیں۔ شاباش اٹھ جاؤ۔"

پھر اس نے جھک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور فائزہ اس کا ہاتھ تھام کس پچھیں مارنے لگی۔

پھر اس نے ہمایوں کی امی کی آواز سنی۔

"جاؤ بیٹا! تم ماں۔۔۔ اٹھ جاؤ۔۔۔ میں یہیں رہوں گی اس کے پاس۔۔۔ تم فون پر خیریت کی اطلاع دے دینا۔"

اسے سہارے اٹھا کر پلنگ پر لائیں۔

"بیٹا! کوئی بڑا حادثہ نہیں ہوا۔ گھبراؤ نہیں۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔ دنیا میں تو ہر آن کیا کچھ ہوتا رہتا ہے۔ تمہاری ماں کمزور ہے اس لیے برداشت نہیں کر سکی۔ ورنہ۔۔۔ دل کو سنبھالو بیٹا! دعا کرو کہ سارے معاملے درست ہو جائیں۔"

"اب۔۔۔ معاملے کبھی درست نہ ہوں گے۔"

اس نے دل میں کسی چھری کی سی دھار لگتی محسوس کی۔ یوں لگا کہ خون بہہ رہا ہے۔ بہت زیادہ خون۔ وہ اپنے ہی خون میں نہا گئی تھی۔

"کیا ہو گیا بیٹا! اس طرح ہمت نہیں ہارتے۔ کیا کبھی کوئی بیمار نہیں ہوتا۔ اللہ خیر کرے گا۔"

ہمایوں کی اماں اس کے جذبات سے بے خبر اسے لپٹائے پیار کیے جا رہی تھیں۔ انہیں ہرگز علم نہ تھا کہ اس کے دل پر کتنی تیز دھار کی چھریاں چل رہی ہیں۔ پھر وہ مائدہ پر ناراض ہونے لگیں کہ وہ خود بھی اس قدر کم ہمتی کا ثبوت دے رہی ہے تو فائزہ کو کیا سنبھالے گی۔

"خالہ جان۔۔۔! بیہ۔۔۔ مہندی۔۔۔"

"تمہیں شاید علم نہیں۔ قاری صاحب کی بیگم انتقال کر گئی ہیں۔ تو سارا محلہ ان کے گھر گیا ہوا ہے اور میں نے ساتھ والوں کو بتا دیا ہے کہ صفیہ کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے مہندی منسوخ ہو گئی ہے۔ وہ سب کو اطلاع کر دے گی اور شادی انشاءاللہ اپنے وقت پر ہو گی۔ اگر صفیہ آج ہی گھر آگئی تو آج مہندی کر لیں گے۔"

مائدہ بے وقوفوں کی طرح انہیں تکنے لگی۔

"خالہ جان۔۔۔!" وہ ہکلائی۔ "وہ بارات۔۔۔"

"مجھے حنی صاحب نے سب بتا دیا ہے۔ فکر نہ کرو۔ وہ لوگ خدا نہیں ہیں کہ وہ ایک کام نہیں کریں گے تو ہو گا ہی نہیں، اللہ چاہے تو بارات وقت پر آئے گی۔ تم اپنی تیاری پوری کرو۔"

کہہ کر وہ ابا کے ساتھ کمرے میں چلی گئیں جو سر جھکائے ابھی ابھی اندر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ہمایوں کے ابا بھی تھے۔ وہ کمرے میں باتیں کرنے لگے۔ دونوں بہنیں ایک دوسرے سے نظریں چرائے بیٹھی تھیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

امی شام کو گھر آگئیں۔ انہوں نے فائزہ کو گلے لگا کر پیار کیا۔ وہ رونے لگی تو سمجھانے لگیں کہ وہ اب ٹھیک ہیں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اف۔۔۔ امی بھی نہیں سمجھ رہیں اس سے کوئی سوال تک نہیں کیا۔ کچھ پوچھا نہیں ڈانٹا نہیں۔ کوئی سرزنش نہیں۔ اتنی بڑی واردات ہو گزری۔ حادثہ معمولی نہیں اور امی۔۔۔ یہ نہیں جانتیں کہ اس کے ضمیر پر کیسے کوڑے برس رہے ہیں۔ وہ رو رو کر ہلکان ہو گئی۔ تو مائدہ اسے اندر لے گئی۔ اس نے مائدہ پر اپنے خیالات ظاہر کیے تو وہ

خفا ہونے لگی۔

"اس لیے نہیں پوچھتے کہ سب جانتے ہیں تم بے قصور ہو۔ یہ کسی شرپسند کا کام ہے۔"

"پھر بھی۔۔۔ انہیں مجھ پر اتنا یقین کیوں ہے؟ کیا میں کوئی غلط کام کر ہی نہیں سکتی۔ آپی! میں اتنی بھی نیک نہیں۔ فرشتہ تو نہیں ہوں۔"

وہ بلک رہی تھی۔ مائدہ اسے ڈانٹتی رہی۔

"تم احمق بھی ہو۔ اب چپ رہو۔ وہ لوگ ہیں ہی بے اعتبار۔ میں نے پہلی نظر میں ہی انہیں پہچان لیا تھا۔ شکر کرو۔ پہلے ہی ان کی اوقات ظاہر ہو گئی۔ انہیں شرپسندوں کی پہچان نہیں۔ یہ رشتہ انہیں راس نہ تھا۔"

"مگر آپی! وہ شک کرنے میں حق بجانب تھے۔ وہ لوگ مجھ سے کب واقف تھے۔"

"ابا سے، دادی سے تو واقف تھے۔ انہیں شک ہونا نہیں چاہیے تھا۔ وہ کہیں اور کریں گے تو کیا گارنٹی ہے کہ وہ لڑکی اتنی نیک پروین ہو گی کہ۔۔۔ اور انہیں کہنا چاہیے تھا شریف والدین کی بیٹیاں اتنی بے حیا ہو ہی نہیں سکتیں۔ وہ ماں ابا کو دھوکا نہیں دے سکتیں۔ وہ ایسا گناہ کرنے سے پہلے مر جانا پسند کرتی ہیں۔ مگر وہ خود ہی کم ظرف نکلے۔"

مائدہ کتنی معصوم ہے۔ اسے علم نہیں شریف والدین کی یہ بیٹی ایسا کرنے ہی والی تھی۔ ملک ایک بار غیر شخص کے ساتھ سفر کر چکی تھی اس کی کار میں۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ کسی بڑے حادثے سے بچ گئی لیکن اس کے ایک فعل کی سزا۔۔۔ اسے ہی نہیں پورے خاندان کو مل رہی تھی۔ اگر کوئی اس سے جواب طلبی کرتا۔ وہ قسم نہیں کھا سکتی تھی، حلف اٹھانے کا گناہ نہیں کر سکتی تھی تو پھر وہ گناہ گار تو ہوئی۔ اس غلطی کی تلافی کیسے ہو گی۔ یہ رسوائی یہ بدنامی۔ بارات کا نہ آنا۔۔۔ جو کام اس نے نہیں کیا اسی کا الزام۔ کیسی بے بسی ہے۔

سر میں سخت درد تھا۔ مائدہ اسے دودھ پلا گئی تو وہ لیٹتے ہی سو گئی۔ کشیدہ اعصاب کو آرام ملا اور ایسی بے خبر ہوئی کہ صبح ہی جاگی اور یہ صبح کس قدر حیرتناک تھی۔ گھر میں چہل پہل افراتفری۔ چچا پکڑا کر ہوئے تھے۔ چچی نے کچن سنبھال لیا تھا۔ چچا ابا مشیرِ کار تھے۔

بڑے چچا البتہ اب بھی روٹھے ہوئے تھے۔ ان کی سالی کی بیٹی کے منگیتر کو ان لوگوں نے نہ جانے کیا کہا تھا۔ ویسے وہ احمر کے والدین سے بھی ناراض تھے کہ ان کو شکوہ تھا کہ بارات کی بندش میں احمر کو ملوث کیا رہا تھا۔ (جیسے وہ کوئی ولی تھا کوئی غلطی نہیں کر سکتا تھا) مائدہ آئی تو اس کے چہرے پر ہنسی کا گلدستہ کھلا ہوا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے باہر۔" اس نے پریشانی سے پوچھا۔ "سب کدھر بھاگے پھر رہے ہیں۔ نومی۔ ابا۔ چچا۔ سب ادھر۔"

بیٹی کی شادی میں کوئی باپ بھائی ہاتھ پر ہاتھ نہیں رکھ کر بیٹھا رہتا۔ پاگل لڑکی۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ ہنسی کی کوئی بات اس نے نہیں کی تھی۔

"شا۔۔۔ شادی۔۔۔ مگر وہ تو۔۔۔ رک گئی تھی۔ کل۔۔۔ کل۔۔۔" وہ خاصی ہونق نظر آ رہی تھی۔ مائدہ پھر ہنسی۔

"افوہ۔ رکی ہوئی گاڑی کیا پھر نہیں چلتی۔ بھر اسٹیشن آیا۔ رک گئی۔ سگنل ہوا۔ چل پڑی۔ دنیا کا یہی دستور ہے۔ گاڑی کو چلتے ہی رہنا چاہیے۔ مسافروں کو ان کی منزل پر پہنچانا بھی ضروری ہے۔"

کہتے ہوئے مائدہ اپنے گولو مولو کو اس کی گود میں پٹخ کر باہر نکل گئی۔ وہ بھی خاصی مصروف تھی۔ فائزہ کا دل گھبرانے لگا۔ "کیا ہو رہا ہے یہ۔" چچا زاد بہن اس کا ناشتہ رکھ گئی۔ وہ بھی خاصی مصروف لگی۔ پھر صائمہ اپنے طائفے کے ساتھ آ گئی۔ محلے کی ساری لڑکیاں۔ کمرے میں ڈھول ڈھمکنے لگا وہ انہیں منع نہ کر سکی۔ یہ گھر والوں کا کام تھا۔ راحمہ کمر پر دوپٹہ کس رہی تھی ڈانس کی تیاری۔ آخر انہیں کسی نے کچھ بتایا کیوں نہیں۔ ڈھول کی بے ہنگم آواز دل پر لگ رہی تھی۔ دھن۔ دھن۔ دھن۔

ہو میری پانچ کلی نادان۔ ہریالے بنے باغوں میں
ت آئے باغوں میں میرے بھائی کھڑے ہیں

تمہاں" حلق پھاڑ رہی تھی۔ بھائی۔ اوہ۔ نومی۔ نومی
صائمہ کو کس سے بلاؤں۔ اسی سے کہوں۔ ان لوگوں کو کسی
بہانے بھیج دے کہیں۔
ہمایوں کو دیکھو۔ کل سے آکر جھانکا تک نہیں۔ خود
غرض کہیں کا۔ بڑا دردمند بنتا تھا۔ کیا۔ خود کو پیش
نہیں کر سکتا تھا۔ ایسے موقعوں پر ایسا ہو ہی جاتا ہے۔
ایک دفعہ رشتہ دے کر کنارا کر لیا اور اماں اس قدر لاڈ
گھما رہی تھیں۔ ہمدردی کے پردے میں طنز کر رہی
تھیں کہ دیکھا ہمارا رشتہ لوٹا دیا تو تمہارا یہ انجام ہوا۔
کہتی تھیں بارات اپنے وقت پر آئے گی۔ بڑے وہ
کہیں کے کمشنر ہیں کہ جا کر بارات لانے کا حکم دیں
گے اور وہ ایسے کمزور کہ مان لیں گے۔ دکھاوا بناوٹی
محبت مگر کیا پتا۔ کسی طرح سب نے مل کر انہیں راضی
کر ہی لیا ہو۔ لگتا تو یہی ہے۔

"سنو صائمہ!" اس نے صائمہ کے کان میں سرگوشی کی۔ "کسی طرح نومی کو بلوا دو، مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

صائمہ پر اثر آئی۔ صائمہ زور سے ہنسی۔

"نومی بابو آج ادھر کہاں۔ وہ تو ہمایوں کے گھر جما بیٹھا ہے۔"

اسے غصہ آ گیا ضرور ہمایوں نے اسے پتنگیں جوڑنے، ڈور باندھنے پر لگا لیا ہو گا۔ نکما کہیں کا۔

"بھئی، ہمایوں کو کوئی جوڑا پسند ہی نہیں آیا۔ تو نومی اس کے ساتھ جا کر کپڑا لایا ہے۔ اب دونوں ٹیلر کو گھیرے بیٹھے ہیں۔"

"ہیں؟ ہمایوں کا جوڑا۔۔۔ نومی کس لیے۔" اچانک وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔

"اب وقت ہی کتنا رہ گیا ہے اور ہمایوں نے کہا ہے۔ وہ ایسا سنگھار کرے گا ایسا شاندار دولہا بنے گا کہ صدیوں تک لوگوں کو یاد رہے فائزہ کا دولہا کسی ملک کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ بلکہ شہزادہ بھی کیا۔ شہنشاہ۔۔۔"

صائمہ ڈھول کی ڈوری کسنے میں لگی سنائے جارہی تھی۔ فائزہ کو چودہ طبق روشن ہوتے نظر آئے۔

"چھن چھن ناچوں گی۔ گن گن گاؤں گی۔ سیاں میرے آئیں گے ان کو رجھاؤں گی۔" اب سب گارہی تھیں راحمہ ڈانس کررہی تھی والہانہ انداز میں۔

"سنو۔ فائزہ جو نئی مہندی کی چوکی سے اٹھے۔ تم لوگ مجھے دھکادے کر چوکی پر گرادینا۔" صائمہ ہدایت دے رہی تھی۔

"دھکادے کر کیوں؟" کسی نے سوال کیا۔

"تو کیا میں خود جاکر بیٹھ جاؤں بے غیرت بن کر۔ لوگوں پر تو یہی ظاہر کرنا ہے کہ زبردستی تم لوگوں نے بٹھا دیا ہے۔ پھر سب تالیاں بھی بجانا۔"

"توبہ۔ صائمہ کو کتنا شوق ہے شادی کا۔"

"مجھے نہیں میری امی کو شوق ہے۔ ویسے کچھ برا شوق نہیں۔" صائمہ ہنسی۔

"اری بنو! دلہن رانی۔ میرا مطلب ہے فائزہ! تمہاری وہ چاچی خدا غارت کرے ابھی تک نہیں آئیں۔ کچی بڑی کمی محسوس ہورہی ہے۔ ہم نے تو ان کے اعزاز میں گانا بھی بنالیا ہے۔ خدا غارت کرے اس دشمن کو جس نے بارات کو ٹوکا۔ ہوٹل آنے سے روکا۔ بلے بھئی۔"

"ارے چپ کرو۔ ہمایوں برا مانے گا۔ اس کا دل تو پتنگ کی طرح اڑ رہا ہوگا اور گا رہا ہوگا۔ دشمن تجھے سات سلام۔ میری مشکل آسان کردی منزل کی پہچان کردی۔"

سب کھل کھل ہنسنے لگیں۔ اف۔ سب باخبر ہیں۔ مائدہ آئے تو خبر لوں گی۔

"راحمہ! اب بس کر۔ تھک جائے گی۔ عین وقت پر گر جائے گی تو ہمارا مذاق اڑے گا۔"

"ہمایوں کی ایک ہی بہن بھی ہے۔ ہم اسے نچالیں گے۔ فکر نہ کرو۔"

"ہمایوں کی کزنز بھی بڑی تیز طرار ہیں کم نہ سمجھو۔ مہندی کی پوری تیاری کرنی ہے۔ اس کی کزنز نے ہمایوں کو آج صبح ہی ابٹن تھوپ کر رسم کرلی۔ ہمایوں پیلا کرتا پہنے پھیل پھیلا۔ بنا پھر رہا ہے۔ ہر کسی کو دعوت عام دے رہا ہے ولیمے کی۔"

"اری بے چاری فائزہ کی بھی فکر کرو۔ ظالم سماج سے سابقہ ہوگا۔ سگی بھتیجی کی تو وہاں کوئی ویلیو نہیں ہے مگر آج تو یہ بھی گواچی گائے کی طرح آنکھیں پھاڑے بیٹھی ہے۔ کہیں فوت نہ ہوجائے فکر سے۔"

معلوم نہیں شادی کے وقت لڑکیوں کے کیا تاثرات ہوتے ہیں۔ فائزہ کم از کم اس بات کا اندازہ نہیں کرسکتی تھی۔ خود وہ تو [illegible] کر جھلائی ہوئی بپھری شیرنی کی مانند ہر کسی کو کھا جانے کے لیے تیار تھی۔ اس کے ساتھ سب نے زیادتی کی تھی۔ کسی نے اسے بتانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی۔ وہ واقعی بوائے گائے تھی۔

رات کو مہندی تھی۔ ہمایوں کی طرف سے کافی خواتین آئی تھیں۔ خاصی تیز طرار سی۔ ایک دوسری سے کہہ رہی تھی۔

"ہمارے چچا کے بیٹوں کی شادیاں اسی طرح ہوئی ہیں۔ کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ پھر یک لخت دھماکا سنائی دیتا ہے۔ بڑے کی بھی ایسے ہوئی۔ اب ہمایوں کی بھی۔ خیر جی ہم تو ان کی خوشی میں دل وجان سے شریک ہوتے ہیں۔ کچی کی ہمارے ہر پروگرام میں دل وجان سے شریک ہوتی ہیں۔ لگتا ہی نہیں غیر خاندان کی ہیں۔ ان کے لڑکے بھی ہر معاملے میں آگے آگے ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے خاندان کی کریم ہیں۔"

بابر کی بیوی تو سادگی کا مرقع تھی۔ مسکرانے پر اکتفا کررہی تھی مگر چچازاد پھوپھی زاد بہنیں بھاوجیں خاصی پیش پیش تھیں۔ رسم کا افتتاح ہمایوں کی اماں نے بسم اللہ کہہ کر کیا۔ سب خواتین مہندی کے ساتھ ابٹن بھی لگاتی رہیں۔ ابٹن مہندی کے بھرے ہاتھ سے مٹھائی بھی کھلاتی رہیں۔ جو وہ نشو کے حوالے کرتی رہی۔

پھر نومی ہمایوں کو پکڑلایا۔ اسے بھی مہندی لگائی تھی۔ مائدہ نے مہندی لگائی اور نیگ طلب کیا۔ خاصا شور ہوا۔ پھر ہمایوں نے کھڑے ہوکر ڈانس شروع کردیا اس کے دونوں چھوٹے بھائی تو بھنگڑا ایکسپرٹ تھے۔ وہ رشتے داروں کو پکڑ کر لاتے کھینچ کھینچ کر انہیں شامل کرتے ہمایوں کی آواز سب سے بلند تھی۔

"وہ گاؤ۔ میرا بھائی بنا ہے دولہا اور پھولے کھلے ہیں دل کے۔"

"یار تم لوگوں کی آوازیں کدھر گم ہیں۔ شاجے! سمجھ لوں گا تجھے۔"

"اب ڈانس کروں کہ حلق پھاڑوں۔ میں ایک وقت میں ایک کام کرتا ہوں۔" شاجے منمنایا۔

"ہمایوں بھائی! آپ فائزہ کے ہاتھ میں مہندی لگائیں۔"

صائمہ [illegible] کرنا غضب ہوگیا۔ ہمایوں فوراً اس کے پاس آبیٹھا اور چپل میں اس کے ہاتھ ٹٹولنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ بغلوں میں ٹھونس لیے۔

"میں مہندی ہاتھ نہ لگواؤں گی۔" ہمایوں نے اعلان کیا۔

"ہمایوں فوراً" اس کے پاس آیا اور جھک جھک کر ہاتھوں کی تلاش شروع کردی پھر چیخا۔

"دھوکا ہوگیا دلہن کے ہاتھ نہیں ہیں۔"

فائزہ نے ہاتھ نکالے اور اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا۔

جہانگیر "سلامت ہیں۔" کے نعرے کے ساتھ بے ہوش ہونے کی کوشش کررہا تھا۔ سب کے قہقہے اور جہانگیر کو "صبر کرو بیٹے" کی نصیحت بھی۔

کھانے کا شور ہوا تو مائدہ اسے اٹھالے گئی۔ کمرے میں پہنچتے ہی فائزہ نے مائدہ کو گھورا دوپٹہ اتار کر الگ پٹخا۔

"یہی رہ گئے تھے، چھچھورے میرے لیے۔ نمونے دیکھے تم نے۔" مائدہ اس کا جلال دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی پھر اسے غصہ آگیا۔

"کچھ احساس ہے تم کو۔ کیسی نازک صورت حال کو سنبھالا ہے ان چھچھوروں نے۔ ماں باپ کی عزت اور جان بچنے پر تم نے شکر تو ادا نہ کیا۔ اعتراض موجود۔ یہ نہ ہوتے تو آج گھر میں ماتم ہورہا ہوتا۔"

"کیا سب جانتے نہیں کہ ادھر سے انکار کے بعد موقعے سے فائدہ اٹھایا ہے ان لوگوں نے۔"

"مگر کس کے لیے؟ ابا کی عزت شرافت کے اعتراف میں ورنہ یہ بھی انسان ہیں شک کرسکتے تھے۔ ان پر ہمارا کیا زور تھا۔ آگے نہ آئے ہوتے تو کیا ابا ان کے آگے جھولی پھیلاتے؟ ابا نے اپنے بھائی سے البتہ درخواست کی تھی پتا ہے چچا نے کیا جواب دیا۔ ہم نے تو پہلے ہی رشتہ دیا تھا۔ اس وقت تم لوگوں کے دماغ عرش پر تھے۔ اب اپنی غرض ہے تو رشتہ مانگ رہے ہو۔ مگر ایسی صورت میں لڑکا تو ہرگز راضی نہیں ہوگا۔ ہماری بھی عزت ہے۔ گویا ابا کی کوئی عزت نہیں اور اس سے ثابت ہوا کہ انہیں بھی یقین ہے کہ کاش فائزہ! اس وقت ابا کی مایوس نظریں تم دیکھ لیتیں۔ تو کسی بھنگی، چمار سے بھی شادی کرلیتیں یا مرنے کی سوچتیں۔" مائدہ بے حد رنجیدہ تھی۔

"میں اب بھی مرنے کو تیار ہوں۔ ایسی رسوائی اور بے عزتی کے بعد۔"

"پاگل پن کی باتیں مت کرو۔ یہ کیفیت شاید چند منٹ رہی پھر خالہ جان ہمایوں کو پکڑلائیں یہ کہہ کر کہ یہ نکما حاضر ہے آپ کی عزت اور شرافت کی ہم گواہی دے سکتے ہیں۔ ہماری تو پہلے بھی آرزو تھی۔ مگر پھر چپ ہوگئے کہ شریفوں کا دستور یہی ہے۔ لیکن میں اس امید پر لائی ہوں اسے کہ یہ خود بھی یقین دلاسکے۔ ہم اس پر دباؤ نہیں ڈال رہے۔ پڑوسی ہی سب سے بڑھ کر دکھ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ اس کڑے وقت میں ہم بھی الگ ہو بیٹھے تو خدا کو کیا جواب دیں گے۔ یہ آپ کی ہی نہیں ہم سب کی عزت کا معاملہ ہے۔ بس آپ یہ اقرار کرلیں کہ ہم اسی وقت پر بارات لے آئیں جو مقرر ہے۔ ابا کا پیلا رنگ آہستہ آہستہ سرخی پکڑنے لگا۔ خون کی روانی۔ درست ہوئی انہوں نے ہمایوں کو گلے لگایا۔ فائزہ کرنے والا تو سب کچھ اوپر والا ہے۔ مگر شکر یہ ہے کہ ہمارا بڑا نقصان نہیں ہوا۔ چچا اگر مان جاتے۔ تو شادی ہو جاتی۔ مگر ان لوگوں کے

زہریلے طعنوں سے کون بچاتا تمہیں۔ چچا کا احسان ابا کی گردن جھکائے رکھتا۔"

"احسان تو۔ ان کا بھی ہو گا۔" مائدہ کی تفصیل سے نتیجہ اس نے یہی نکالا۔

"ہے بے شک۔ لیکن ان کی خواہش' آرزو بھی تو تھی ان کے خیال میں تو "ملی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔" ان کی خواہش پوری ہوئی ہے۔ وہ خود احسان مند ہو رہے ہیں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

"ہشو۔ بچو۔ ہوشیار۔ خبردار۔ دلہن آرہی ہے۔"

سسرال میں قدم رکھتے ہی اس کے دیوروں نے راستہ بنانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ اچانک ہونے والی اس شادی پر بھی کتنے مہمان جمع کر لیے تھے ان لوگوں نے۔ جیسے سب منتظر تھے کہ اچانک اطلاع آئے اور وہ بشتم پشتم شادی گھر پہنچیں۔ لڑکیاں تو شاید ہاتھوں میں غرارے لٹکائے کھڑی تھیں کہ ہمایوں فون کھڑکائے اور وہ غراروں میں غڑاپ ہو کر دوڑ پڑیں۔ جسے دیکھو ایک سے بڑھ کر ایک زرق برق غرارے سے لیس۔

وہ بابر کی شادی دیکھ چکی تھی اس لیے حیرت نہیں ہوئی۔ اماں نے بھی شاید ہمایوں کی پسند کی بری بنائی تھی۔ کس قدر بھاری شرارہ تھا۔ دوپٹہ من بھر کا۔ سر کو نیچے کی طرف نہیں اوپر کی طرف اٹھا رہا تھا۔ گردن ٹوٹی جا رہی تھی۔

ہمایوں اس کے ساتھ بڑے وقار کے ساتھ قدم بڑھا رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ ہمایوں کے ساتھ اس کے گھر میں داخل ہو گی۔ وہ تو یہ سوچ سوچ کر تلملایا کرتی تھی کہ وہ خود اس پائے کی شہزادی نہیں جس کی اماں کو تلاش ہے۔ محلے بھر میں لڑکے لڑکیاں سب ہی ہمایوں کے دلدادہ اور عاشق زار تھے سوائے فائزہ کے۔ جو اس کا نام بھی زبان پر نہیں لاتی۔ اس خوف سے کہ کہیں وہ اس کی تمنا نہ بن جائے۔

گلی محلے کی عشق بازی سے اسے سخت چڑ تھی۔ لڑکیاں جب چٹخارے لے کر کسی لڑکے سے اپنی محبت کا ذکر کرتیں۔ وہ ان سے بیزار ہو جاتی۔ ایسی کسی لڑکی سے اس کی دوستی نہ تھی۔ اسے یہ سب جھوٹا مصنوعی لگتا۔

اسے کسی بھی قسم کے عشق سے چڑ تھی۔ لیکن یہاں جو ہوا۔ اس پر اسے غصہ آتا۔ دل جو ہمایوں کے نام پر دھڑک اٹھتا۔ اس کی آواز پر اعصاب کشیدہ ہو جاتے۔ شکل دیکھ کر اس کا اپنا چہرہ گرم ہو جاتا۔ وہ خوامخواہ اس پر بگڑتی۔ سیدھی بات کا الٹا جواب دیتی اور دوسروں کو تاثر یہی ملتا کہ فائزہ ہمایوں سے چڑتی ہے اور اسی چڑ کا سبب اس رشتے سے انکار تھا۔ وہ اس ہم اس آواز' اس چہرے' اس وجود سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔ مگر انسان جو چاہتا ہے وہ اکثر نہیں ہوتا اور اب وہ ہو گیا۔ جس پر اسے کبھی یقین نہ تھا۔

نہ کوئی ارمان۔ نہ خواہش۔ ناممکن کو وہ تو ممکن نہیں کر سکتی تھی۔ اسی لیے اس کے خیال سے بچتی رہی مگر وہ جو اوپر بیٹھا ڈوریاں ہلاتا ہے۔ اس نے خواہ کی طریقے یا ذریعے سے اس کی طلب کو۔ خواہش طلب۔ صبر اور ضبط کے انعام میں۔ اسے وہ بخش دیا تھا۔

دو خواہشیں پوری ہوئیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی آپس میں رازداری ہے۔ اور دوسری خواہش۔ قدرت کے اشارے پر اس کے خیال میں جو عرش مکین تھا' وہ اسی کے ساتھ زندگی بھر کے لیے منسوب ہو چکا تھا۔ اسی زمین پر ان کا ملاپ ہوا تھا اور اسے حیرت انگیز انداز میں۔ شاید اس کی پوشیدہ خواہش سب غرض محبت قدرت کو پسند آگئی تھی اور اسے تو قدرت نے بڑے اعزاز سے نواز دیا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر کیے فخر نہ کرتی۔ بے مانگے جھولی بھر دی گئی۔

مصیبت یہ ہوئی کہ دولھا کے ساتھ اس کے دونوں چچے بھی حجلۂ عروسی میں گھس آئے۔ ہمایوں کی خوشامد بعد میں مار دھاڑ کے باوجود وہ دلہن دیکھے بغیر باہر جانے کو تیار نہ تھے۔ ایک پلنگ پر چڑھا ہے تو دوسرا میز پر۔ پلنگ والے نے ادھر چھلانگ لگائی تو میز والا دوسری طرف کود گیا۔ اکیلا ہمایوں دونوں سے لپاڈکی کر کے ہار



آخر چلایا۔

"چھوٹو۔ صبح کا انتظار نہیں کر سکتے۔ اماں نے کہا ہے دلہن کو سب سے پہلے دولھا دیکھے گا۔ کسی دوسرے کی نظر دلہن کے چہرے پر پڑنے سے بے چاری کے چہرے پر خاصی گندی لے کر آئے تھے۔ چکا ہے۔ مزہ کو ہم خاصی گندی لے کر آئے تھے۔ میں نے زین میں اس کا چہرہ دیکھ لیا۔ اس سے باتیں بھی کر لیں۔ پھر اگر دیکھا تو الٹا تو۔ رحم کرو۔ میری دلہن کم از کم اسے تو میرے لائق رہنے دو۔ میرے بھتیجو۔ مجھے اس کی شکل دیکھنے دو۔"

فائزہ کے اعصاب جواب دے گئے۔ وہ بھی میدان میں کود پڑی۔ دوپٹہ سر سے اتار کر گلے میں ڈالا اور دہاڑ کر بولی۔

"خدا غارت کرے ان لوگوں کو۔ جن کی وجہ سے آج یہاں میرا تماشا لگ رہا ہے۔ دیکھو لو' جس جس نے دیکھنا ہے۔ مرد کی نہیں صبح تک۔"

تینوں اس کی آواز پر ساکت سے رہ گئے۔ تینوں کی نظریں اس کے خوبصورت چہرے پر جمی رہ گئیں۔

"چھوٹی سی شرم بھی کر لیتے ہیں۔ آخر دلہن ہو اور میں تمہارا دولھا۔ چلو فعہ تو مجھے گھونگھٹ ہٹانے دیتیں۔" ہمایوں بے چارگی سے بولا۔

فائزہ نے دونوں دیوروں کی بھی کی کی۔ منہ اور آنکھیں پونچھتے دیکھا اس کی بھی کھی اسٹارٹ ہوئی۔

ہمایوں نے زعفرانی صافہ سر سے اتار کر پلنگ پر پٹخا۔ گلے سے گلاب کا ہار نکال کر میز پر ڈالا اور دونوں بھائیوں کی طرف منہ کر کے چلایا۔

"نکل گیا ارمان۔ مجھ سے پہلے دیکھ لیا نا۔ اب نتیجہ بھی دیکھ لو۔ برس رہے ہیں تھیکرے۔ سمیٹو تم ہی۔ میں چلا۔ خدا غارت کرے۔"

جہانگیر اور شاہ جہاں دونوں نے اسے پکڑا۔ فائزہ نے دانتوں تلے زبان دبائی اور لپک کر دوپٹے میں گھس گئی۔

"گھونگھٹ اٹھالوں کہ گھونگھٹ نکالوں۔ دولھا جی کا کہنا میں مانوں کہ ٹالوں۔" دونوں لڈی ڈال رہے تھے۔

ہمایوں بے بسی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"اب گھونگھٹ اٹھاؤ بھی ارمان زدہ۔" دوپٹے کے اندر سے شریر آواز آئی۔ "میرا سر درد کر چکا ہے اس کے بوجھ سے۔"

ہمایوں نے دھپ سے پلنگ پر بیٹھ کر سر ہلایا۔

گڈی آگئی ٹیشن تے۔ پر اں ہٹ وے بابو

سانوں ماہیا ویکھن دے

دونوں بھائیوں نے گاتے ہوئے منہ سے سیٹی کی آواز نکالی اور لائن بنا کر باہر چلے گئے۔ اندر سناٹا۔ خوشگوار خاموشی اور انجانی سی خوشبو رہ گئی۔

شکر ہے۔ فائزہ ناراض نہیں۔ وہ تو ڈر رہا تھا کہ اس اچانک فوری شادی پر سب سے زیادہ وہی شور کرے گی۔ مگر اس کی بھی وہی مرضی تھی۔ جو اس کی تھی۔ یہ دلیل وفا ہی تو ہے۔